Regd No E-P67

جلسہ سالانہ نمبر

رجسٹرڈ نمبر ای پی ۶۷

ولقد نصرکم اللہ ببدر و انتم اذلۃ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

ہفت روزہ

بدر

قادیان

ایڈیٹر محمد حفیظ بقاپوری

جلد نمبر ۶ | ۳ر۱۰ر اخاء ۱۳۳۶ ہش ۸ر۱۵ر ربیع الاول ۱۳۷۷ھ ۳ر۱۰ر اکتوبر ۱۹۵۷ء | نمبر ۴۰-۴۱

حمد ربّ العٰلمین

(کلام سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام بانی سلسلہ احمدیہ)

کس قدر ظاہر ہے نور اُس مبدء الانوار کا — بن رہا ہے سارا عالم آئینہ ابصار کا

چاند کو کل دیکھ کر میں سخت بے کل ہو گیا — کیونکہ کچھ کچھ تھا نشاں اس میں جمالِ یار کا

اُس بہارِ حُسن کا دِل میں ہمارے جوش ہے — مت کرو کچھ ذکر ہم سے ترک یا تاتار کا

ہے عجب جلوہ تری قدرت کا پیارے ہر طرف — جس طرف دیکھیں وہی رہ ہے ترے دیدار کا

چشمۂ خورشید میں موجیں تری مشہود ہیں — ہر ستارے میں تماشا ہے تری چمکار کا

تُو نے خود رُوحوں پہ اپنے ہاتھ سے چھڑکا نمک — اس سے ہے شورِ محبت عاشقانِ زار کا

کیا عجب تُو نے ہر اک ذرہ میں رکھے ہیں خواص — کون پڑھ سکتا ہے سارا دفتر ان اسرار کا

تیری قدرت کا کوئی بھی انتہا پاتا نہیں — کس سے کھل سکتا ہے پیچ اس عقدۂ دشوار کا

خوبرُویوں میں ملاحت ہے ترے اس حُسن کی — ہر گل و گلشن میں ہے رنگ اس ترے گلزار کا

چشمِ مستِ ہر حسیں ہر دم دکھاتی ہے تجھے — ہاتھ ہے تیری طرف ہر گیسوئے خمدار کا

آنکھ کے اندھوں کو حائل ہو گئے سو سو حجاب — ورنہ تھا قبلہ ترا رُخ کافر و دیندار کا

ہیں تری پیاری نگاہیں دلبرا اک تیغِ تیز — جس سے کٹ جاتا ہے سب جھگڑا غمِ اغیار کا

تیرے ملنے کے لئے ہم مل گئے ہیں خاک میں — تا مگر درماں ہو کچھ اس ہجر کے آزار کا

ایک دم بھی کل نہیں پڑتی مجھے تیرے سوا — جاں گھٹی جاتی ہے جیسے دل گھٹے بیمار کا

شور کیسا ہے ترے کوچہ میں لے جلدی خبر

خوں نہ ہو جائے کسی دیوانہ مجنوں وار کا

اندر کے صفحات پر

ملک صلاح الدین ایم۔ اے پبلشر نے رلیا آرٹ پریس امرتسر میں چھپوا کر دفتر اخبار بدر قادیان سے شائع کیا۔

ہفت روزہ بدر قادیان

مورخہ ۳ تا ۱۰ اکتوبر ۱۹۵۷ء

ہمارا سالانہ اجتماع

کسی اجتماع کی اہمیت اور اس کی عظمت اُن عظیم الشان کثیر الفوائد اغراض و مقاصد سے ظاہر ہوتی ہے جن کے حصول کے لئے اس اجتماع کا انعقاد عمل میں لایا جاتا ہے دنیا میں سینکڑوں اجتماعات ہوتے ہیں۔ لیکن وہ اپنے افادی دائرہ کے محدود ہونے کی وجہ سے یا محض وقتی مقاصد کے حصول کے باعث چنداں اہمیت نہیں رکھتے۔ لیکن چونکہ احمدیہ جماعت کا دعویٰ اِس بے دینی کے زمانہ میں دنیا کو خالص روحانیت کا سبق پڑھانے اور اس کی روحانی تشنگی دور کرنے کا ہے۔ اس لئے اُس کا مقصد بھی بلند ہے اور اس کا دائرہ بھی وسیع ہے۔ اس لئے اس کے حصول کے لئے جو اجتماعات اس مقدس جماعت کی طرف سے منعقد ہوتے ہیں وہ بھی غیر معمولی اہمیت کے حامل ہوتے ہیں۔

آج سے چھیاسٹھ سال قبل جب کہ حضرت بانیٔ سلسلہ عالیہ احمدیہ علیہ السلام نے خود اللہ تعالیٰ سے الہام پاکر مامور من اللہ ہونے کا دعویٰ کیا اور سعید روحوں کا آپ کی طرف رجوع ہونے لگا۔ تو حسب سنت انبیاء علیہم السلام آپ نے بھی ان کی تعلیم و تزکیہ نفوس نیز آسمانی آواز کو دوسروں تک پہنچانے کے لئے ۱۸۹۱ء میں جماعت احمدیہ کے سالانہ اجتماع کی بنیاد رکھی اور فرمایا:۔

"۔۔۔ قرین مصلحت معلوم ہوتا ہے کہ سال میں تین روز ایسے جلسہ کے لئے مقرر کئے جائیں جس میں تمام مخلصین اگر خدا تعالیٰ چاہے بشرط صحت و فرصت و عدم موانع قویہ تاریخ مقررہ پر حاضر ہوسکیں"۔

اور پھر اس جلسہ کی اغراض و مقاصد بیان کرتے ہوئے فرمایا:۔

"حتی الوسع تمام دوستوں کو محض لِلّٰہ ربانی باتوں کو سننے کے لئے اور دعا میں شریک ہونے کیلئے اس تاریخ پر آجانا چاہیئے۔ اور اس جلسہ میں ایسے حقائق اور معارف کے سنانے کا شغل رہے گا جو ایمان اور یقین اور معرفت کو ترقی دینے کے لئے ضروری ہیں"۔

اسی طرح فرمایا:۔

"اور تمام بھائیوں کو روحانی طور پر ایک کرنے کے لئے اور ان کی خشکی اور اجنبیت اور نفاق کو درمیان سے اُٹھا دینے کے لئے درگاہ حضرت عزت جلشانہ کوشش کی جائے گی"۔

چنانچہ اس کے مطابق اس مبارک اجتماع کا باقاعدہ آغاز ۲۷ دسمبر ۱۸۹۱ء میں ہوا۔ اس کے بعد سوائے ایک ناغہ کے ہر سال جلسہ کا انعقاد ہوتا چلا آیا۔ اور اس میں شامل ہونے والوں کی تعداد سال بسال بڑھتی گئی۔ اگرچہ تقسیم ملک کے بعد قادیان کے اجتماع کی حاضری اتنی زیادہ نہیں ہوتی لیکن جماعت کے دوسرے مرکز ربوہ میں کثرت تعداد کا نظارہ بھی مشاہدہ کیا جا سکتا ہے۔ جو بجائے خود احمدیت کی صداقت کا ایک نشان ہے۔ بایں ہمہ خدا کے فضل سے ہندوستانی احمدیوں کا سالانہ اجتماع قادیان میں ہر سال برابر اضافہ ہوتا چلا آرہا ہے۔ اس جلسہ میں شریک ہونے والے صرف احمدی ہی نہیں ہوتے بلکہ بلکہ مختلف مذہب و ملت کے سنجیدہ مزاج حضرات تحقیق حق کے لئے اس موقعہ پر تشریف لاتے ہیں۔ اور انہیں قریب سے جماعت کی تعلیم و عقائد کے مطالعہ کا موقعہ ملتا ہے اور عموماً اچھا اثر لے کر جاتے ہیں۔

اگرچہ حضرت بانیٔ سلسلہ عالیہ احمدیہ کی طرف سے جلسہ کے اغراض و مقاصد میں جماعت احمدیہ کے سالانہ اجتماعات کیلئے اصولی رنگ میں ایک مستقل پروگرام کا نقشہ موجود ہے۔ تاہم جن غیر از جماعت دوستوں کو ایسے اجتماعات میں شرکت کا موقعہ ملا ہے۔ وہ جانتے ہیں کہ ہماری جماعت اسلام کی اس پیاری تعلیم کے مطابق ہمیشہ ہی اصول رہا ہے کہ وہ اپنے پر امن سٹیج سے نہایت پیار اور محبت سے اسلام کے حسین اور روشن چہرہ کو پیش کرے اور اگر سوچا جائے تو ملکی مفاد بھی اس امر کے متقاضی ہیں کہ مذہبی جماعتیں ایسے جلسوں میں اس اصول کی پابندی کریں تا نیکی کی اشاعت کے ساتھ ساتھ ملکی نظام کو تقویت پہنچے علاوہ ازیں انسانی ہمدردی کا تقاضا ہے کہ اگر کسی شخص کے پاس ایک ایسی قیمتی اور مفید چیز موجود ہے جس سے دوسروں کو فائدہ پہنچ سکتا ہے۔ تو بلا دریغ اسے دوسروں کے سامنے پیش کر دیا جائے۔ انبیاء علیہم السلام چونکہ ایسے اوقات میں مبعوث ہوتے ہیں جبکہ روحانیت کے لحاظ سے یہ جوہر کمیاب ہوتا ہے۔ اس لئے ان کا جذبہ ہمدردی اسی طور پر جوش مارتا ہے اور وہ بالطبع اسبات کے متمنی ہوتے ہیں کہ جس بیش بہا خزانہ سے وہ خود مالا مال ہوئے ہیں۔ اُن کے دوسرے بھائی بھی اپنے دامن بھر لیں۔ چنانچہ اسی جذبہ ہمدردی کو وسعت دیتے ہوئے خدا تعالیٰ نے اپنے حبیب کو مخاطب فرمایا کہ

بلّغ ما انزل الیک من ربک

یعنی تمہیں اپنے پروردگار کی طرف سے جو کچھ ملا ہے اُسے دوسروں تک پہنچا دو۔ گویا ایک روحانی چشمہ جاری کرو جس کی طرف ہر تشنہ کام اپنی تشنگی دور کرنے کے لئے دوڑا چلا آئے۔ چنانچہ اس کے مطابق ہر سالی ربانی باتوں کے سنانے کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ تا خدا کی مخلوق اپنے خالق کے ساتھ تعلق پیدا کرے اور اس بیش بہا خزانہ سے وہ بھی حصہ پائے جس سے جماعت احمدیہ نے حصہ پایا۔

جماعت کے جلسہ سالانہ کو اس لحاظ سے بھی خاص اہمیت حاصل ہے کہ جس طرح ظاہری پودے کی سرسبزی و شادابی کیلئے اس کی مناسب نگہداشت اور بروقت آبیاری ضروری ہے اسی طرح دلوں میں روحانیت کا پودا لگا کر صحبت صالحین اور وعظ و نصائح کی مجالس میں حاضری کی از حد ضرورت ہے ورنہ جس طرح اِدھر اُدھر پڑے رہنے سے زنگ لگنے کا اندیشہ ہے اسی طرح ایسے مواقع سے مستفید نہ ہونے والا انسان بھی اپنے ایمان کی چنگاری کو راکھ میں دبا دینے والا بنتا ہے۔ لہٰذا ضرورت اس امر کی ہے کہ قلوب کو صیقل کیا جائے اور روحانیت میں جلا حاصل کرنے کی تدابیر اختیار کی جائیں۔

چنانچہ اسی جذبہ اور نیک روح کے ماتحت اکناف عالم میں بسنے والے احمدی مخلصین ہر سال اس بابرکت موقعہ پر کھچے چلے آتے ہیں۔ اور ان بابرکت ایام سے روحانی فوائد کی پوری کوشش کرتے ہیں۔ حتیٰ کہ اپنے گھروں کو واپسی کے وقت اپنے اندر ایک پاک تبدیلی پاتے ہیں اور نئے اخلاص اور غیر معمولی ولولے اور خدمت دین کے غیر متزلزل عزم کو لے کر واپس لوٹتے ہیں۔

چونکہ یہ سالانہ اجتماع الٰہی تحریک کی بناء پر مقرر کیا گیا تھا اسلئے خدا تعالیٰ نے اس میں غیر معمولی برکت ڈالی اور بفضلہ تعالیٰ اسکے ذریعہ جماعت کی تبلیغی تنظیمی اور تربیتی اغراض بطریق احسن پوری ہو رہی ہیں۔ اللّٰھم زد فزد۔

علاوہ ازیں ہمارا سالانہ اجتماع ہر سال حضرت بانیٔ سلسلہ عالیہ احمدیہ اور آپکی جماعت کی صداقت کا زبردست نشان بنتا ہے جبکہ ایک لمبا عرصہ پیشتر خدا تعالیٰ نے اپنے اس برگزیدہ بندہ سے یہ وعدہ فرمایا تھا کہ یاتیک من کل فج عمیق۔ یاتون من کل فج عمیق کہ خدا تعالیٰ کی نصرت و تائید ہر دور دراز راہ سے تم سے تجھے پہنچیں گی۔ اور دور دراز کے رستوں سے لوگ بھی تیری طرف چلے آئیں گے۔ چنانچہ اس موقعہ پر حاضر ہونیوالا ہر شخص اس الہام کی صداقت کا ایک زندہ نشان قرار پاتا ہے ۔۔۔ پس خوش قسمت ہے وہ انسان جسے اس موقعہ پر حاضر ہونے کی توفیق ملی اور جس نے اپنی طاقت کے مطابق ان بابرکت ایام سے فائدہ اُٹھانے میں کوئی کسر اُٹھا نہ رکھی! اللّٰھم متعنا باسماعنا وابصارنا وقوتنا ما احییتنا واجعلہ الوارث منّا۔

اخبار احمدیہ

قادیان ۴ر اکتوبر۔ سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی صحت کے متعلق اخبار الفضل میں ۲۸ ستمبر کی اطلاع مظہر ہے کہ

طبیعت بفضلہ تعالیٰ اچھی ھے۔ الحمد للہ

احباب حضور ایدہ اللہ تعالیٰ کی صحت و سلامتی اور درازیٔ عمر کے لئے التزام سے دعائیں جاری رکھیں۔

ربوہ ۳۰ ستمبر۔ حضرت مرزا شریف احمد صاحب مدظلہ العالی کی طبیعت کل سے پھر ناساز ہے احباب صحت کاملہ کے لئے دعا فرمائیں۔

قادیان ۴ر اکتوبر۔ حضرت بھائی عبد الرحمٰن صاحب قادیانی کی طبیعت بوجہ ضعیف العمری کمزور ہے احباب اس نافع وجود کی صحت و سلامتی کے لئے دعا فرمائیں۔

۔۔۔ جلسہ سالانہ پر پاکستان سے قافلہ آنے کی اجازت نہیں ملی۔ ہندوستان کے احباب جلسہ میں شمولیت کے لئے تشریف لا رہے ہیں۔ احباب جماعت جلسہ کی کامیابی کے لئے دعا فرمائیں۔

پھر جمع ہو رہے ہیں محبان قادیان

از محترم قاضی محمد ظہور الدین صاحب اکمل ربوہ

اے صلح خیر مسلکِ سکانِ قادیاں ۔۔۔ ایماں نواز وسعتِ دامانِ قادیاں

ہر گل میں ہر شجر میں محمدؐ کا نور ہے ۔۔۔ رنگین و پربہار ہے بستانِ قادیاں

ٹوٹے ہوئے دلوں کو الٰہی تو جوڑ دے ۔۔۔ پھر جمع ہو رہے ہیں محبانِ قادیاں

دل باغ باغ ہے یہ نشاں دیکھ کر ۔۔۔ سینہ ہے داغ داغ زہجرانِ قادیاں

اشکوں کے چند گوہرِ منظوم کر نثار

اکمل بہ یادِ حسنِ جوانانِ قادیاں

خطبہ جمعہ

اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَۃِ وَالْمَوْعِظَۃِ الْحَسَنَۃِ

اے مومنو! لوگوں کو حکمت اور موعظت کے ساتھ حق کی دعوت دیا کرو

از حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز۔ فرمودہ ۶ر ستمبر ۱۹۵۷ء

تشہد اور تعوذ اور سورہ فاتحہ کے بعد حضور نے قرآن کریم کی اس آیت کی تلاوت فرمائی کہ ادع الیٰ سبیل ربک بالحکمۃ والموعظۃ الحسنۃ وجادلھم بالتی ھی احسن۔ ان ربک ھو اعلم بمن ضل عن سبیلہٖ و ھو اعلم بالمھتدین۔ (النحل ع ۱۶)

اس کے بعد فرمایا قرآن کریم کی

اس آیت میں

اللہ تعالیٰ نصیحت کرتے ہوئے فرماتا ہے۔ کہ تم سے جو لوگ بحث کرنے کے لئے آئیں۔ خصوصاً وہ لوگ جو اہل کتاب ہیں تو تم دلائل کے ساتھ ان سے بحث کیا کرو۔ اور دلوں پر اثر کرنے والی باتیں ان کے سامنے پیش کیا کرو۔ شاید اللہ تعالیٰ اس ذریعہ سے ان کو ہدایت دے دے۔ گویا بحث سے تمہاری غرض یہ نہیں ہونی چاہیئے۔ کہ تم دشمن کو ذلیل کر دیا اپنے دلائل پر فخر کا اظہار کرنے لگ جاؤ۔ جیسے آج کل کے مسلمانوں کی حالت ہے۔ کہ اگر ان کے مولوی کوئی معقول بات کہدیں۔ یا معقول بات کے قریب قریب بھی کوئی بات کہدیں۔ تو وہ فوراً اوپر سے نعرے شروع کر دیتے ہیں۔ قرآن کریم یہ نہیں کہتا کہ تم ایسے موقعہ پر نعرے لگایا کرو۔ یا اپنے دشمن کو ذلیل کرنے کی کوشش کیا کرو۔ بلکہ قرآن یہ کہتا ہے۔ کہ جس شخص سے تمہاری بحث ہو جائے خصوصاً ایسی صورت میں جب وہ اہل کتاب میں سے ہونے کا مدعی ہو۔ تو اس سے بحث کرتے وقت

حکمت اور موعظت سے کام لیا کرو

یعنی ہر بات کی معقولیت دلائل کے ساتھ اس پر واضح کیا کرو۔ اور اس کی غرض و غایت اور حکمت پر بھی روشنی ڈالا کرو۔ اور بتایا کرو کہ ہم یہ مسائل اس لئے بیان کرتے ہیں کہ ان سے فلاں فلاں فائدہ ہو سکتا ہے اور ساتھ ساتھ نصیحت کرتے جاؤ کہ خالی بحث کا کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ اصل چیز جو انسان کو فائدہ پہنچانے والی ہے وہ یہ ہے کہ اپنے

دل کو پاک کیا جائے

اور خدا تعالیٰ کی محبت اور اس کی خشیت پیدا کی جائے۔ اگر ایسا کیا جائے تو ہو سکتا ہے۔ کہ دوسرے کو ہدایت مل جائے۔ میں نے ہمیشہ دیکھا ہے۔ کہ یہ طریق بڑا کارگر اور مؤثر ہوتا ہے۔ میں ایک دفعہ کراچی گیا تو جماعت کے بعض دوست ایک عرب کو میری ملاقات کے لئے لے آئے۔ اس نے کہا مجھے آپ کی جماعت سے بڑی محبت ہے۔ کیونکہ آپ لوگ دین کی خدمت کر رہے ہیں۔ اور تمام دنیا میں آپ نے مبلغ پھیلا رکھے ہیں لیکن ایک بات مجھے بہت بری لگتی ہے۔ اور وہ یہ کہ آپ کروڑوں مسلمانوں کو کافر کہتے ہیں۔ میں اپنے دوستوں کی طرف متوجہ ہوا۔ اور میں نے کہا بتاؤ کیا میں نے تمہیں کبھی کہا ہے کہ تم مسلمانوں کو کافر کہا کرو۔ انہوں نے کہا آپ نے ہمیں ایسا نہیں کہا مسلمان کو کافر کہنے والا تو خود کافر ہوتا ہے۔ کہنے لگا

میرا مطلب یہ ہے

کہ آپ کلمہ گو لوگوں کو کافر کہتے ہیں۔ میں نے پھر اپنے دوستوں سے پوچھا کہ بتاؤ میں نے کبھی کہا ہے کہ جو شخص کلمہ پڑھے اسے کافر کہو۔ انہوں نے کہا بالکل نہیں۔ اس پر وہ گھبرا گیا۔ اور کہنے لگا میرا مطلب یہ ہے کہ جو آپ سے اختلاف کرے۔ اسے آپ کافر کہتے ہیں۔ میں نے پھر دوستوں سے کہا کہ بولو میں نے تمہیں کبھی کہا ہے۔ کہ جو تم سے اختلاف کرے اسے کافر کہا کرو۔ اختلاف پر کافر کہنے کے تو یہ معنے ہیں۔ کہ جس قسم کی سلوار میں نے پہنی ہوئی ہے۔ اگر اس قسم کی سلوار کوئی دوسرا شخص نہ پہنے۔ یا جس قسم کی پگڑی میں نے پہنی ہوئی ہے اگر اس قسم کی پگڑی کوئی دوسرا شخص نہ پہنے۔ یا جس قسم کی جوتی میں نے پہنی ہوئی ہے۔ اگر اس قسم کی جوتی کوئی دوسرا شخص نہ پہنے۔ تو میں اسے کافر کہہ دوں۔ بتاؤ

کیا میں نے کبھی کہا ہے

کہ ایسا شخص کافر ہے۔ انہوں نے کہا۔ ہرگز نہیں۔ آپ نے ہمیں کبھی ایسا نہیں کہا۔

اس پر وہ اور زیادہ گھبرایا اور اس نے اپنی بات کو درست کرنے کی کوشش کی۔ اور کہا میں نے سنا ہے۔ کہ آپ ایسے لوگوں کو جو مسلمان کہلاتے ہیں۔ اور نمازیں بھی پڑھتے ہیں۔ اور روزے بھی رکھتے ہیں۔ کافر کہتے ہیں۔ میں نے کہا اب میں آپ کو بتاتا ہوں کہ بات کیا ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ کافر کا لفظ تو میں ان میں سے کسی کے لئے نہیں بولتا۔ مگر مسلمانوں میں سے کچھ لوگ ایسے ہیں۔ جو انبیاء علیہم السلام پر مختلف قسم کے الزامات عائد کرتے ہیں۔ مثلاً کہتے ہیں۔ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے (نعوذ باللہ) تین جھوٹ بولے تھے یا بعض کہتے ہیں کہ حضرت داؤد کی ننانوے بیویاں تھیں۔ اس کے بعد ایک جرنیل جس کا نام اوریا ابن حنّان تھا اس کی بیوی آپ کو پسند آ گئی۔ اور حضرت داؤد نے اس کی بیوی پر قبضہ کرنے کے لئے اس جرنیل کو ایک خطرناک مقام پر بھجوا دیا۔ اس ارادہ سے کہ اگر یہ مارا جائے تو اس کی بیوی سے شادی کروں۔ سو اس ارادہ کی برائی ظاہر کرنے کے لئے دو فرشتے آپ کے پاس آئے اور ان میں سے ایک نے

یہ جھوٹا قصہ

گھڑ کر بیان کرنا شروع کر دیا کہ یہ میرا بھائی ہے۔ اور اس کی ننانوے دُنبیاں ہیں اور میری صرف ایک دُنبی ہے۔ مگر پھر بھی یہ کہتا ہے کہ اپنی دُنبی مجھے دیدے۔ گویا نعوذ باللہ فرشتوں نے حضرت داؤدؑ پر الزام لگایا کہ ان کا فعل درست نہیں تھا۔ اور ایک جھوٹا قصہ گھڑ کر ان کے سامنے بیان کر دیا۔ (فتح البیان جلد ۸ صفحہ ۱۰۵)

میں ایسے لوگوں کے متعلق کہتا ہوں کہ یہ پکے مسلمان نہیں ہیں۔ اس پر وہ عرب بے اختیار کہنے لگا کہ پکے مسلمان ہونیکا کیا سوال ہے ایسے لوگ تو پکے کافر ہیں۔ میں نے کہا آپ بیشک پکے کافر کہیں مگر میں نے تو ہمیشہ یہی کہا ہے کہ ان لوگوں کے اسلام میں کمزوری پائی جاتی ہے۔ پھر میں نے دوستوں کی طرف دیکھا اور کہا۔ کیا میں نے تمہیں کبھی کہا ہے کہ یہ لوگ پکے کافر ہیں۔ انہوں نے کہا آپ نے ایسا کبھی نہیں کہا۔ وہ کہنے لگا آپ بے شک ان کو کافر نہ کہیں لیکن

میرا تو عقیدہ ہے

کہ ایسے لوگ جو نبیوں پر بھی الزام لگانے سے دریغ نہیں کرتے پکے کافر ہیں۔ میں نے اس سے کہا آپ بے شک جو چاہیں کہیں میں نے کبھی ان لوگوں کو پکے کافر نہیں کہا۔ میں صرف یہ کہا کرتا ہوں کہ جتنی جتنی کمزوری کسی میں پائی جاتی ہے اتنی ہی اس کے اسلام میں کمی ہے۔ پھر میں نے کہا یہ عجیب بات ہے کہ آپ خود انہیں پکے کافر کہتے ہیں۔ اور مجھ سے آکر اس بات پر بحث کرتے ہیں کہ آپ اور آپکی جماعت کے افراد دوسرے مسلمانوں کو کافر کہتے ہیں حالانکہ نہ ہم مسلمانوں کو کافر کہتے ہیں۔ نہ یہ کہتے ہیں کہ وہ قرآن کے منکر ہیں یا کلمہ کے منکر ہیں . . . . . . الکعبہ کے منکر ہیں۔ ہاں جوان کی غلطی ہے وہ انہیں بتا دیتے ہیں۔ مثلاً یہی کہ قرآن کریم کی اتنی آیتیں منسوخ ہیں یا انبیاء پر وہ مختلف قسم کے الزامات لگاتے ہیں مثلاً

حضرت سلیمان علیہ السلام

کے متعلق کہتے ہیں کہ ایک دفعہ انہوں نے پاخانہ میں جاتے ہوئے انگوٹھی اتاری اور اپنی بیوی کو دیدی۔ شیطان نے انکی شکل اختیار کر کے اسکی بیوی سے وہ انگوٹھی مانگی اور اس نے ان کو سلیمان سمجھ کر وہ انگوٹھی دیدی جب حضرت سلیمان علیہ السلام پاخانہ سے واپس آئے تو انہوں نے اپنی بیوی سے پوچھا کہ میری انگوٹھی کہاں ہے۔ اس نے کہا میں نے تو آپ کو دیدی ہے۔ حضرت سلیمان نے کہا جھوٹ ہے مجھے کوئی نہیں دی۔ اس کے بعد حضرت سلیمان کی شکل میں کوئی ایسا تغیر واقعہ ہوا کہ جدھر نکلتے تھے لوگ ان پر ہنسی اڑاتے تھے۔ اور حضرت سلیمان بھی بڑے متعجب تھے کہ یہ کیا ہو رہا ہے گھروں میں جاتے اور لوگوں سے روٹی مانگتے تو وہ کبھی دے دیتے اور کبھی انکار کر دیتے کیونکہ سمجھتے تھے کہ یہ سلیمان نہیں۔ ایک دن ایک بیوی نے رحم کر کے ان کو روٹی دی اور ساتھ مچھلی بھی دی وہ مچھلی انہوں نے کھائی تو اس میں سے انگوٹھی نکل آئی جو انہوں نے پہن لی اور ان ... پھر تغیر واقعہ ہو گیا۔ اور سب جن و انس

ان کی اطاعت کرنے لگے

لوگوں کو اس لئے بھی ان کے سلیمان ہونے پر یقین آ گیا کہ جب حضرت سلیمانؑ نے اصرار ... دعویٰ جاری رکھا کہ اصل سلیمان میں ہوں تو لوگوں کے دل میں شبہ پیدا ہوا۔ اور انہوں نے ان کی بیویوں کے پاس عورتیں بھیجیں کہ کیا اس شخص یعنی شیطان کے اندر آنے کے بعد کوئی چیز آپ کو ایسی نظر آئی ہے جو سلیمان کے طریق کے خلاف ہو۔ انہوں نے کہا ایک فرق ہے کہ سلیمان ہمیشہ حیض کے ایام میں ہمارے قریب نہیں آیا کرتا تھا۔ مگر یہ شخص یعنی شیطان آ جاتا ہے۔ اس پر

لوگوں پر یہ بات واضح ہو گئی

کہ سلیمان کی شکل اختیار کر کے شیطان سلیمان بنا ہوا ہے۔ یہ روایت مجاہد کی طرف منسوب کی گئی ہے جو حضرت ابن عباسؓ کے نہایت مقرب شاگرد تھے۔

(فتح البیان جلد ۸ صفحہ ۱۱۲)

جو لوگ خدا تعالیٰ کے انبیاء کے متعلق اس قسم کے گندے عقائد رکھتے ہوں ان کے ایمانوں کو کس طرح کامل کہا جا سکتا ہے۔ پس میں صرف یہ کہتا ہوں کہ اتنی اتنی کمزوری مسلمانوں میں پائی جاتی ہے اور ان سے فلاں فلاں غلطی ہوئی۔ اگر خدا تعالیٰ ان غلطیوں کو دور کر دے

جماعت احمدیہ کی امتیازی شان

"آسمان و زمین کو اللہ اور اس کے رسولؐ کی حمد سے بھر دینا ہے"

از محترم مولانا ابو العطاء صاحب فاضل جالندھری ربوہ

حضرت مسیح ناصری علیہ السلام نے اپنے حواریوں کو تلقین فرمائی تھی کہ وہ یہ دعا کرتے رہیں کہ خدا کی بادشاہت جس طرح آسمان پر ہے زمین پر بھی آئے یعنی زمین بھی خدا کی حمد سے بھرپور ہو۔ یہ دعا درحقیقت اپنے اندر یہ پیشگوئی رکھتی ہے کہ ایک وقت آئے گا جب کل کائنات خدائے ذوالجلال کی حمد کے ترانے گائے گی اور ہر ذرہ اس کی ستائش میں محو ہوگا۔

قرآن مجید کا نزول اس ذات بابرکات پر ہوا جسے خود خدا تعالےٰ نے محمدؐ یعنی سراپا ستائش قرار دیا اور پرانے آسمانی نوشتوں میں اسے اسی نام سے یاد کیا گیا تھا (غزل الغزلات) اس میں اشارہ تھا۔ کہ اب ان تمام وعدوں کے پورا ہونے کا وقت آن پہنچا ہے جو ابتدائے دنیا سے انبیاء علیہم السلام کی معرفت بیان کئے جاتے رہے ہیں۔ قرآن مجید کی پہلی آیت میں ہی اعلان کر دیا گیا۔ الحمد للہ رب العالمین۔ کہ اللہ رب العالمین تمام محامد کا سرچشمہ ہے اور ہر قسم کی حمد و ثنا اسی کو زیبا ہے۔ اس اعلان کے یہی معنے ہیں کہ اسلام کا نصب العین بجز اس کے کچھ نہیں کہ زمین و آسمان کو خدا کی حمد سے بھر دیا جائے۔

قرآن مجید نے یہ پیشگوئی کی ہے کہ دین اسلام بغیر کسی جبر و اکراہ کے محض دلیل و برہان اور اپنی تاثیرات قدسیہ سے دلوں میں گھر کرے گا اور آخری زمانہ میں جبکہ اسلام کی حمایت میں ایک عظیم الشان مامور مبعوث ہوگا۔ تو اس کے ذریعہ سے لیظہرہ علی الدین کلہ کی خوشخبری پوری ہوگی۔ کیونکہ وہ زمانہ اپنے وسائل تلاقی اور اشاعت کے لحاظ سے بے نظیر ہوگا۔ اور اس وقت اذا النفوس زوجت کی خبر پوری ہو کر ساری دنیا کو ایک شہر کی حیثیت دے دے گی۔ قرآن مجید میں اس موعود کا نام احمدؐ بتایا گیا ہے اور ایک جگہ اس کی آمد کو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی بعثت ثانیہ قرار دیا گیا ہے۔ احادیث میں بعض مشابہتوں کی وضاحت کے طور پر اس موعود کو مسیح اور مہدی بھی کہا گیا ہے۔ بہرحال اسلام نے الحمد للہ رب العالمین کے کامل روحانی ظہور کے لئے اور حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی محمدیت کی کامل جلوہ نمائی کے لئے آخری زمانہ کو مخصوص فرمایا ہے۔

یہ بات ظاہر و باہر ہے کہ اس عظیم الشان مقصد کو پورا کرنے کے لئے دور احمدیت کی ضرورت ہے احمدؐ کا مبعوث ہونا ضروری ہے۔ جو سرچشمۂ حمد ذات باری کی ہستی و صفات کو نمایاں کر کے ہر زبان پر اس کی حمد کے نغمے جاری کر دے اور سراپا تعریف محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف حمیدہ کا چرچا کر کے زمین کو اس کی تعریف کے گیتوں سے بھر دے۔ گویا الحمد للہ اور سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے اسم گرامی محمدؐ میں یہ پیشگوئی ہے کہ آپ کی امت میں حامدوں کی کثرت کے علاوہ ایک احمدؐ بھی ہوگا اور اسی کے ذریعہ سے اسلام کے دورِ آخر میں تخلیق کائنات کا مقصد مدعا پایۂ تکمیل کو پہنچے گا۔ اسی حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے الہام الٰہی کے مطابق حضرت شیخ سرہندی مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ تحریر فرماتے ہیں:۔

"بعد از ہزار و چند سالی از زمان رحلت آں سرور علیہ و آلہ الصلوات والتسلیمات زمانے مے آید کہ حقیقت محمدی از مقام خود عروج فرماید بمقام حقیقت کعبہ متحد گردد۔ دریں زمان حقیقت محمدی باحمدی نام یابد و مظہر ذات احد جل سبحانہ گردد"۔

(رسالہ مبدا و معاد ۱۵۴ٔ)

جماعت احمدیہ کی نسبت حضرت احمدؑ کی طرف ہے اور سرا محمدی احمدؐ کی طرف منسوب ہے اس کا کام۔ اس کے فرائض اور اس کی ذمہ داریاں وہی ہیں جو حضرت احمدؐ کی ہیں۔ سرا محمدی گویا اسی شجرۂ طیبہ کی شاخ ہے۔ اور اس شاخ کے اصل ہونے کی یہ علامت ہے کہ وہی شیریں پھل دے جو اس درخت کا خاصہ ہے۔ اور ہم بتا چکے ہیں۔ کہ حضرت احمدؐ کا کام اور ان کا دائرہ عمل یہی ہے کہ وہ آسمان و زمین کو حمد سے معمور کر دے۔ اور یہی کام اور یہی دائرہ عمل جماعت احمدیہ کا ہے۔

اور اپنے اپنے ظرف کے مطابق یہی کام اور یہی دائرہ عمل سرا محمدی کا ہے مختصر یہ کہ جماعت احمدیہ کا امتیازی نشان یہ ہے کہ وہ اس زمانہ میں زمین و آسمان کو حمد الٰہی اور تعریف محمدی سے بھرنے کے لئے معرض وجود میں آئی ہے۔ اور یہ کام اس وقت سوائے اس جماعت کے کوئی اور فرقہ یا فرد انجام نہیں دے سکتا۔ کیونکہ درحقیقت دوسرے فرقے یا افراد اس کام کے لئے قائم ہی نہیں ہوئے اور ان میں یہ اہلیت ہی موجود نہیں۔ ۱۸۹۶ء کی بات ہے۔ جب لاہور میں جلسہ مذاہب اعظم منعقد ہوا۔ اس جلسہ میں مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی نے تقریر کرتے ہوئے کہا کہ اولیاء اور صلحاء کی جو علامات میں بیان کر رہا ہوں وہ پہلے زمانہ میں پائی جاتی تھیں آج ان کا وجود عنقا ہو چکا ہے مگر اسی جلسہ میں حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ علیہ السلام نے اعلان فرمایا کہ اسلام زندہ مذہب ہے اور ہمارا خدا اپنی ساری صفات کے ساتھ الحی القیوم ہے اور میں اس کا زندہ نمونہ موجود ہوں۔ کہ اللہ تعالےٰ اپنے بندوں کے ساتھ آج بھی ہمکلام ہوتا ہے۔ اور یہ سب کچھ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی کامل اتباع کے نتیجہ میں ہے۔

حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ نے ساری زندگی احمدیت کے اسی نصب العین کے حصول کی جد و جہد میں صرف فرمائی۔ کفر کی ساری طاقتوں کا آپ نے رات دن مقابلہ کیا۔ اور اسی مقصد کے لئے آپ نے جماعت احمدیہ قائم فرمائی۔ اور آخر اپنی وفات کی خبر پا کر جماعت کو ان الفاظ میں وصیت فرمائی:۔

"خدا تعالیٰ چاہتا ہے کہ ان تمام روحوں کو جو زمین کی متفرق آبادیوں میں آباد ہیں کیا یورپ اور کیا ایشیا۔ ان سب کو جو نیک فطرت رکھتے ہیں۔ توحید کی طرف کھینچے اور اپنے بندوں کو دین واحد پر جمع کرے یہی خدا تعالےٰ کا مقصد ہے جس کے لئے میں دنیا میں بھیجا گیا سو تم اس مقصد کی پیروی کرو مگر نرمی اور اخلاق اور دعاؤں پر زور دینے سے"۔

(الوصیت صفحہ ۹)

ان عبارات سے عیاں ہے کہ جماعت احمدیہ کی امتیازی شان یہ ہے کہ وہ اس زمانہ میں اس عظیم الشان نصب العین کو پورا کرنے کے لئے معرض وجود میں آئی ہے۔ جو سب انبیاء کا مشترکہ مقصد ہے۔ اور جس کے پورا ہونے کے لئے اسلام کا دورِ آخر مقرر ہے۔ جس نصب العین کے پورا ہونے کی قرآن مجید نے بشارت دے رکھی ہے۔

ایسی جماعت کے بارے میں قرآن مجید فرماتا ہے۔ ولتکن منکم امۃ یدعون الی الخیر ویأمرون بالمعروف وینھون عن المنکر واولٰئک ھم المفلحون کہ جماعت دعوت اسلام اور تبلیغ قرآن کو اپنا مطمح النظر قرار دے۔ امر بالمعروف کرتی رہے اور منکر سے روکتی رہے۔ ایسی ہی جماعت کامیاب و کامران ہوگی۔ دوسری جگہ فرمایا ہے ومن احسن قولاً ممن دعا الی اللہ وعمل صالحاً وقال اننی من المسلمین کہ وہ شخص بہترین قول کہنے والا ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دیتا ہے۔ خود نیک اور صالح اعمال بجا لاتا ہے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کامل محبت اور اطاعت کر کے مسلم قرار پاتا ہے

پس ثابت ہے کہ آخری دور میں خاص طور پر حمد الٰہی اور تعریف محمدی سے زمین و آسمان کو بھرنے والی جماعت کے چند امتیازات ہیں:۔

۱۔ وہ حضرت احمدؑ کی جماعت ہے۔ اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی حمد کی اشاعت اس کا نصب العین ہے۔

۲۔ وہ اللہ تعالےٰ اور اس کی صفات پر کامل یقین رکھتی ہے۔ تازہ معجزات نے اس کے یقین کو اور بھی جلا بخش دی ہے۔ اس یقین کے نتیجہ میں جان و مال اور وطن کی ہر قربانی اس کے لئے آسان ہے۔ اس یقین نے اس جماعت کے اعمال میں کامل خلوص اور للہیت پیدا کر دی ہے۔

۳۔ وہ جماعت اشاعت اسلام کو اپنا نصب العین قرار دیتی ہے۔ اور اس سلسلہ میں ساری دنیا میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا بیڑا اٹھائے ہوئے ہے۔

۴۔ وہ جماعت اپنی روحانی زندگی اور بلند کردار کے لحاظ سے زندہ خدا کی تجلی گاہ ہے۔ اور اسی کی حمد کو جیسے جیسے زمین پر قائم کرنے کا تہیہ رکھتی ہے۔

یہ جماعت احمدیہ کی امتیازی شان ہے۔ ہمارا فرض ہے۔ کہ ہمارا ہر فرد اس شان کو زیادہ سے زیادہ اپنائے۔ اللہ تعالےٰ ہمیں توفیق بخشے۔ آمین بہ

دین کو دنیا پر مقدم رکھو!

درویشان قادیان

(از جناب مولوی برکات احمد صاحب بی۔ اے رابیکی ناظر امور عامہ قادیان) :-

"داغ ہجرت" کے بعد جن مخلصین کو قادیان میں مقدس مقامات کی خدمت کے لئے قیام کی توفیق ملی انہیں "درویش" کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ سیدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کے مندرجہ ذیل الہامات و رؤیا ان درویشوں کے متعلق سمجھے جا سکتے ہیں :-

"میں نے خواب میں ایک فرشتہ ایک لڑکے کی صورت میں دیکھا جو ایک اونچے چبوترے پر بیٹھا ہوا تھا۔ اور اس کے ہاتھ میں ایک پاکیزہ نان تھا۔ جو نہایت چمکیلا تھا۔ وہ نان اس نے مجھے دیا۔ اور کہا کہ یہ تیرے لئے اور تیرے ساتھ کے درویشوں کے لئے ہے"

(تذکرہ صفحہ ۱۹)

۲۔ "اصحاب الصفۃ وما ادراک ما اصحاب الصفۃ۔ تری اعینھم تفیض من الدمع یصلون علیک۔"

ترجمہ :- اور ایسے لوگ بھی ہوں گے جو اپنے وطنوں سے ہجرت کر کے تیرے حجروں میں آکر آباد ہوں گے۔ وہی ہیں جو خدا کے نزدیک اصحاب الصفہ کہلاتے ہیں۔ اور تو کیا جانتا ہے کہ وہ کس شان اور کس ایمان کے لوگ ہوں گے جو اصحاب الصفہ کے نام سے موسوم ہیں۔ وہ بہت قوی الایمان ہوں گے۔ تو دیکھے گا کہ ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوں گے۔ وہ تیرے پر درود بھیجیں گے"۔

اس تعلق میں سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تحریر فرمایا ہے :-

"خدا تعالیٰ نے انہی اصحاب الصفہ کو تمام جماعت میں سے پسند کیا ہے۔ اور جو شخص سب کچھ چھوڑ کر اس جگہ آکر آباد نہیں ہوتا۔ اور کم سے کم یہ تمنا دل میں نہیں رکھتا۔ اس کی حالت کی نسبت مجھ کو بڑا اندیشہ ہے کہ وہ پاک کرنے والے تعلقات میں ناقص نہ رہے اور یہ پیشگوئی عظیم الشان ہے اور ان لوگوں کی عظمت ظاہر کرتی ہے کہ جو خدا تعالیٰ کے علم میں تھے۔ وہ اپنے گھروں اور وطنوں اور املاک کو چھوڑیں گے اور میری ہمسائیگی کے لئے قادیان میں بودوباش کریں گے"۔

(تریاق القلوب صفحہ ۶)

لفظ درویش کے معنے

درویشان قادیان کے بعض ایمان افروز حالات بیان کرنے سے پہلے لفظ "درویش" کی لغوی تشریح کر دینی مناسب ہے۔ کیونکہ اس سے درویشان کے مقصد زندگی پر روشنی پڑتی ہے۔

"درویش" اصل میں درویز یعنی در آویز بمعنی آویزندۂ در ہے۔ جس کے معنے دروازے سے چمٹنے یا لٹکنے والے کے ہیں۔ اصطلاحی طور پر اس فقیر یا اہل اللہ کو کہتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے دروازہ سے چمٹا ہوا ہو۔ اور دنیا سے منہ موڑ کر اور دنیاوی سامانوں کو تیاگ کر توکل علی اللہ کے مقام پر فائز ہو۔

دور درویشی کا آغاز

قادیان میں درویشی کا موجودہ دور ۱۶ر نومبر ۱۹۴۷ء سے شروع ہوا۔ جب مولانا جلال الدین صاحب شمس مع دیگر احباب قادیان کے قافلہ میں رخصت ہوتے ہوئے مسجد محلہ دار الانوار کے سامنے درد بھری آواز سے یہ الفاظ کہے :-

"اے قادیان کی مقدس سرزمین تو ہمیں مکہ مکرمہ و مدینہ منورہ کے بعد دنیا میں سب سے زیادہ پیاری ہے۔ لیکن حالات کے تقاضا سے ہم یہاں سے نکلنے پر مجبور ہیں۔ اسلئے ہم تجھ پر سلامتی بھیجتے ہوئے رخصت ہوتے ہیں"۔

ان الفاظ کا حرف حرف رقت آمیز تھا اور ان کو سنکر اپنوں اور غیروں سب کے دل درد سے بھرے ہوئے تھے۔ لیکن رخصت ہونے والے مخلصین اور یہاں پر قیام کرنیوالے درویشان کے قلوب ان پر خطر حالات اور اس پُر آشوب زمانہ کو دیکھتے ہوئے اور بھی زیادہ مجروح اور سوز و گداز سے پُر تھے۔ جانے والے یہ سمجھتے تھے کہ ملک کے وسیع اور متلاطم سمندر میں یہ چند تنکے نہ معلوم کب تک طوفانوں کے تھپیڑے برداشت کر سکیں گے۔ اور بحرِ محبت میں ان کے غرقاب ہونے کی کب اطلاع ملے گی۔ ۳۱۳ درویشوں کی حالت اس وقت بیم و رجا کے درمیان تھی۔ وہ ایک چھوٹا سا گروہ تھا۔ جو عزیزوں کے غیر مانوس بلکہ دشمنانہ ماحول میں باقی رہ گیا تھا موت ہر وقت ان کے سروں پر منڈلا رہی تھی۔ ہاں خدا تعالیٰ کی راہ میں قربان ہونے کی لذت اور اس قادر و توانا کی مدد اور نصرت پر بھروسہ ان کے مجروح قلوب کا مداوا اور ان کی امیدوں کا سہارا تھا۔

۱۹۴۷ء کے بعد جوں جوں وقت گزرتا گیا ان بے سروسامان درویشوں کے حالات بدلتے گئے۔ اور اضطراب اور خطرہ کی جگہ ایک گونہ اطمینان اور امن و امان کی صورت پیدا ہوتی گئی۔ سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کی دعوات خاصہ اور توجہات کریمانہ درویشوں کی ڈھارس بندھانے کا موجب تھیں اور اب تک باعث اطمینان و سکون ہیں۔ آپ نے ۱۹۴۷ء کے جلسہ سالانہ کے پیغام میں فرمایا :-

"میں آسمان پر خدا تعالیٰ کی انگلی کو احمدیت کی فتح کی خوشخبری لکھتے ہوئے دیکھتا ہوں جو فیصلہ آسمان پر ہو زمین اُسے رد نہیں کر سکتی اور نہ خدا کے حکم کو انسان بدل نہیں سکتا۔ سو تسلی پاؤ اور خوش ہو جاؤ اور دعاؤں اور روزوں اور انکساری پر زور دو۔ اور بنی نوع انسان کی ہمدردی اپنے دلوں میں پیدا کرو۔ کہ کوئی مالک اپنا گھوڑا بھی کسی ظالم سائیس کے سپرد نہیں کرتا۔ اسی طرح خدا بھی اپنے بندوں کی باگ انہی کے ہاتھوں میں دیتا ہے جو بخشتے ہیں اور چشم پوشی کرتے ہیں۔ اور خود تکلیف اُٹھاتے ہیں تاکہ خدا کے بندوں کو آرام پہنچے"۔

یہ ڈھارس دینے والے الفاظ وقت کے ساتھ ساتھ واقعات کی شکل اختیار کرتے گئے۔ اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اطمینان و آرام کی کئی راہیں ہموار ہوتی گئیں۔ اکثر سرکاری افسروں کا رویہ بھی ہمدردانہ اور منصفانہ ہوتا گیا۔

بعض ابتدائی حالات

درویشان قادیان مارچ ۱۹۴۹ء تک مکمل طور پر اپنے حلقہ میں محصور رہے۔ حالات اس قسم کے پر خطر تھے کہ ان کے لئے حفاظت کے انتظام کے ساتھ بھی قادیان سے باہر نکلنا ممکن نہ تھا۔ ابتدا میں تو یہ کیفیت تھی۔ کہ اگر اپنے حلقہ سے باہر بازار میں سودا سلف کے لئے جانا ہوتا تو تین چار افراد مل کر جاتے اور دفتر میں نام درج کرا جاتے تاکہ واپسی کا علم ہو سکے

ایک خطرناک واقعہ

۱۹۴۸ء کے شروع میں بعض شر پسند لوگوں کی طرف سے یہ شاخسانہ کھڑا کیا گیا کہ ننکانہ صاحب کے سکھ میوادار احمدیوں نے قتل کر دیئے ہیں۔ لہذا قادیان کے احمدی مسلمانوں کو زندہ نہ چھوڑا جائے اس غلط واقعہ کو اس رنگ میں شہرت دی گئی۔ کہ لوگ اشتعال میں آکر نہتے اور بے بس درویشوں کو تہ تیغ کرنے کیلئے ہمارے محلہ کے اردگرد اکٹھے ہو گئے۔ اس وقت ہر ایک درویش خدا کی راہ میں قربان ہونے کے لئے اور موت کو قبول کرنے کے لئے بخوشی تیار تھا۔ یہ محاصرہ تقریباً پانچ چھ گھنٹے رہا۔ آخر خدا تعالیٰ کی رحمت جوش میں آئی اور اس نے ان مخلص درویشوں کو اپنی پناہ اور حفاظت میں لے لیا۔ اس کی ظاہری صورت یہ ہوئی کہ بعض شریف متعلقہ مقامی افسران نے اپنے فرائض کو ادا کرتے ہوئے مشتعل ہجوم کو منتشر کر دیا۔

سوشل بائیکاٹ

جب ہمارے شر پسند مخالفین کا یہ حربہ ناکام رہا۔ تو انہوں نے درویشوں کو بھوکا مارنے کے لئے یہ منصوبہ سوچا کہ ان کا سوشل بائیکاٹ کیا جائے۔ چنانچہ جنوری ۱۹۴۸ء میں ان محصور درویشوں کا چھبیس ۲۶ دن تک مکمل بائیکاٹ کیا گیا۔ درویشوں سے لین دین۔ خرید و فروخت بالکل بند کر دی گئی۔ یہاں تک کہ اگر کوئی اس فیصلہ کی خلاف ورزی کرتا تو اس کا منہ کالا کر کے سر بازار تشہیر کی جاتی۔

مخالفین نے اپنی طرف سے ہمیں ختم کرنے کے لئے یہ خطرناک منصوبہ اختیار کیا تھا لیکن خدا جو اپنے بندوں کا محافظ اور بے کسوں کا سہارا ہے۔ ہر روز اپنی خاص تائید سے ہمارے لئے خور دو نوش کے سامان مہیا فرماتا رہا۔ گندم تو خدا تعالیٰ کے فضل سے ہمارے پاس پہلے ہی ضرورت کے مطابق موجود تھی دوسری ضروریات زندگی بھی بعض بہی خواہوں کے ذریعہ سے

جن کو اللہ تعالیٰ نے اس کار خیر کے لئے جرأت و ہمت بخشی اور ہماری ہمدردی کے لئے انتظار کیا جیسا ہونا چاہئے۔ ان دنوں ہمارے قلوب اللہ تعالیٰ کی محسن ہستی کے لئے خاص طور پر جذبات تشکر سے پر تھے۔ جبکہ ہم دیکھتے تھے کہ کئی لوگ جو یا ہیے استعمال میں لا رہے ہیں۔ اور درویشان گندم کے پاکیزہ نان کھا رہے ہیں۔

رشتہ داروں سے بارڈر پر ملاقات

بین المملکتی حالات کی وجہ سے ایک عرصہ تک درویشان اپنے عزیزوں و اقارب سے جو پاکستان میں تھے جدا رہے۔ انکے لئے یہ ممکن نہ تھا کہ وہ ان عزیزوں کی شادی و غمی میں شریک ہو سکیں۔ سوائے اس کے کہ کسی غمناک اطلاع پر دو آنسو بہا کر صبر اختیار کریں۔ یا کسی خوشکن خبر پر خدا تعالیٰ کا شکر کر سکیں۔ جون سنہ ۱۹۵۰ء میں یہ سہولت میسر آئی کہ ہندوستانی اور پاکستانی افراد کو بارڈر پر ملاقاتیں کرنے کا موقعہ بہم پہنچایا گیا۔ درویشوں نے اس سہولت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے واہگہ بارڈر پر اپنے بچھڑے ہوئے عزیزوں اور رشتہ داروں سے ملاقاتیں کیں۔ چند گھنٹوں کی ملاقاتیں جہاں مسرت آمیز تھیں وہاں حسرتناک بھی تھیں۔ باوجود کثیر مصارف برداشت کرنے کے اور لمبے عرصہ کی جدائی کے بہت ہی قلیل وقت ملاقات کے لئے میسر آتا تھا۔ بہرحال درویشوں نے اس سہولت کے لئے بھی خدا تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔

فیملیوں کی واپسی

اواخر جون سنہ ۱۹۵۱ء تک درویش قادیان میں اہل و عیال کے بغیر مقیم رہے اور جدائی کا یہ وقت انہوں نے بفضلہ تعالیٰ صبر و استقلال اور تبتل اور زہد سے گزارا۔ ۲۸ جون کو چند فیملیاں پاکستان سے واپس ہوئیں۔ اور اس کے بعد تھوڑی تھوڑی تعداد میں فیملیوں کی واپسی ہوتی رہی۔ گو ابھی تک بعض درویشوں کے اہل و عیال کو واپسی کی اجازت نہیں ملی اور وہ تجرد کی زندگی گزار رہے ہیں۔ لیکن خدا تعالیٰ کے فضل سے انہوں نے صبر و رضا کا اچھا نمونہ پیش کیا ہے۔ بعد میں کئی غیر شادی شدہ درویشوں کے رشتوں کا ہندوستان میں بھی انتظام ہو گیا۔ اور اس طرح یک گونہ سکون کی حالت پیدا ہونے کے علاوہ قادیان کی احمدی آبادی میں بھی اضافہ ہوا۔ جو اب چھ صد سے اوپر ہے۔

بعض مشکلات

اب اگرچہ جان کا وہ خطرہ جو درویشوں کو ابتدائی سالوں میں تھا بظاہر ٹل گیا ہے۔ لیکن مالی اور دوسری قسم کی پریشانیاں تشویش کا باعث ہیں۔ اور دراصل درویشوں کی زندگی قربانی اور انقطاع الی اللہ کی زندگی ہے۔ اور یہ تکالیف و مصائب ان کے ایمان اور روحانیت کے لئے کھاد کا کام دیتی ہیں۔ اس دوران میں جماعتی اور انفرادی طور پر درویشوں پر کئی مقدمات بھی دائر کئے گئے۔ اور بعض اب تک چل رہے ہیں۔ لیکن مخالفین کی طرف سے جب بھی کوئی منصوبہ کیا گیا اللہ تعالیٰ کی خاص نصرت و تائید نے اس کو ملیامیٹ کر دیا۔ واللہ خیر الماکرین۔ گذشتہ دس سال میں جس رنگ میں خدا تعالیٰ نے مدد کی ہے۔ وہ ایک لمبی داستان ہے۔ جو اس مختصر مضمون میں بیان نہیں ہو سکتی۔ ہاں سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مندرجہ ذیل کلام میں اسی کا نقشہ کھینچا گیا ہے ؎

بخیلتِی عدی من ورائی
یبشرنی ذوالعجائب من امامی

یعنی دشمن مجھے ناکام و نامراد کرنے کے لئے پیچھے سے حملہ آور ہے اور میرا ذوالعجائب خدا مجھے فتح و کامرانی کی بشارات دیتے ہوئے آگے کی طرف بڑھا رہا ہے۔ قادیان میں درویشوں کی زندگیوں میں یہی حالت نظر آتی ہے کہ ایک طرف مخالفت کی آگ کا تنور گرم ہوتا ہے اور دوسری طرف خدا اسی ذوالعجائب کی رحمت کا پانی برسنا شروع ہو جاتا ہے۔

بعض تبلیغی کارگزاریاں

ان ناساعد حالات میں بھی اللہ تعالیٰ نے جو کام ان مجبور و محصور درویشوں سے لئے ہیں اور ان کی حقیر کوششوں کو جس طرح اپنی تائید و نصرت سے نوازا ہے۔ ان کے تفصیلی ذکر کو چھوڑتے ہوئے صرف چند تبلیغی کارگزاریوں کا ذکر کیا جاتا ہے۔ جو اسلام و احمدیت کی سربلندی کے لئے اس قلیل گروہ نے دکھائیں۔

درویشی کے ابتدائی سالوں میں چونکہ مشرقی پنجاب میں حالات بہت غیر معمولی تھے۔ اور مسلمانوں کا وجود اس علاقہ میں بہت نادر اور جاذب توجہ تھا۔ اسلئے جب درویش پولیس اسکورٹ کے ساتھ یا بعد میں بغیر پولیس اسکورٹ کے قادیان سے باہر جاتے تو غیر مسلموں کا ہجوم ان کے اردگرد جمع ہو جاتا۔ خدا تعالیٰ نے اپنے فضل سے درویشوں کو ان مواقع سے فائدہ اٹھانے اور اسلامی تعلیمات کی برتری اپنے قول و فعل سے ظاہر کرنے کی توفیق دی۔ ان دنوں بٹالہ۔ گورداسپور۔ امرتسر۔ جالندھر لدھیانہ وغیرہ شہروں میں عجیب نظارے دیکھنے میں آتے تھے۔ ان شہروں میں چند درویش کسی بازار یا گلی میں سے گذرتے اور اردگرد غیر مسلم حضرات مختلف جذبات اور خیالات سے لیکن مشتاقانہ انداز میں جمع ہو جاتے۔ اور ایک جلوس کی شکل بن جاتی۔ گو بعض اوقات مخالفانہ جذبات کا اظہار بھی ہوتا۔ اور سب و شتم اور زجر و توبیخ بھی سننی پڑتی۔ لیکن تبلیغ حق جاری رہی۔ اور خدا تعالیٰ نے ان کوششوں کے شیریں پھل بھی عطا فرمائے۔

انہی غیر معمولی حالات کی وجہ سے لوگ کثرت کے ساتھ قادیان آنے لگے۔ یہاں تک کہ استقبال کرنے اور ان کو مقدس مقامات دکھا کر تبلیغ کرنے کے لئے ایک مستقل دفتر کھولا گیا جس کا نام "دفتر زیارت مقامات مقدسہ" ہے۔ اس میں آج تک ڈیڑھ لاکھ کے قریب غیر مسلم آکر پیغام حق سن چکے ہیں۔ ان زائرین میں ہر طبقہ اور مقام کے لوگ شامل ہیں۔ اور یہ سلسلہ بفضلہ تعالیٰ روز افزوں ہے۔

تبلیغ بذریعہ لٹریچر و تقاریر

باوجود محدود ذرائع کے مرکز قادیان نے ہندوستان بھر میں تبلیغ کے لئے لاکھوں کی تعداد میں اردو۔ ہندی انگریزی اور گورمکھی میں لٹریچر شائع کیا ہے۔ سنہ ۱۹۵۶ء میں آل انڈیا کانگرس کے سالانہ اجلاس منعقدہ امرتسر میں محترم صاحبزادہ مرزا وسیم احمد صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ نے ابن حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ نے بنفس نفیس امرتسر تشریف لے جا کر ہندوستان کے چوٹی کے لیڈروں کو پیغام حق پہنچایا۔ اسی طرح آپ نے جنوبی ہندوستان کے وسیع علاقہ میں تبلیغی وفد کے ذریعہ دورہ کیا۔ جزاھم اللہ احسن الجزاء۔

مشرقی پنجاب میں جب کبھی آریہ سماج کی طرف سے مذاہب کانفرنس کسی شہر میں منعقد ہوتی ہے تو اسلام کی نمائندگی کا شرف درویشوں کو ہی حاصل ہوتا ہے۔ گذشتہ سال موگا میں آریہ سماج نے مسئلہ تناسخ کے موضوع پر تقاریر کا انتظام کیا۔ اس موقعہ پر اسلامی نقطۂ نگاہ کو پیش کرنے کی توفیق ہمارے مبلغ کو ملی۔ اور جلسہ کے معاً بعد سینکڑوں کی تعداد میں مسئلہ تناسخ پر مدلل لٹریچر بھی حاضرین میں تقسیم کیا گیا۔

قادیان سے ہفت روزہ اخبار بدر بھی باقاعدہ جاری ہے۔ اور یہاں پر علاوہ جلسہ سالانہ کے جلسہ ہائے سیرت النبی ﷺ اور پیشوایان مذاہب کا بھی باقاعدہ انعقاد ہوتا ہے۔ اور ان جلسوں میں سینکڑوں ہا غیر مسلم اسلامی تعلیمات کو سنتے اور اُن سے متاثر ہوتے ہیں۔

تاثیر دعا

درویشانِ قادیان کو اللہ تعالیٰ نے مقدس مقامات کی برکت سے عبادات اور دعاؤں میں شغف عطا فرمایا ہے۔ اور بیسیوں مسلم و غیر مسلم عقیدت مند اپنی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے حضرت مولوی عبد الرحمن صاحب امیر جماعت احمدیہ اور حضرت صاحبزادہ مرزا وسیم احمد صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں دعاؤں کی خواہش کرتے رہتے ہیں۔ چنانچہ درویش خود بھی دعا کرتے ہیں اور سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ اور دوسرے بزرگان سلسلہ کی خدمت میں بھی درخواست دعا کرتے رہتے ہیں۔ اس سلسلہ میں بہت سے غیر مسلم ان دعاؤں کی برکت سے بفضلہ تعالیٰ اپنی حاجات کو پوری کرا چکے ہیں۔ اور اس سے ان کی عقیدت مندی اور خلوص میں اضافہ ہوا ہے۔

آخری گذارش

درویشان قادیان کا تفصیلی ذکر اس مختصر مضمون میں نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا صرف چند واقعات بطور مثال کے عرض کر دیے ہیں۔ یہ خدا تعالیٰ کا فضل ہے کہ باوجود صدہا کمزوریوں کے اللہ تعالیٰ نے ہم ہیچ میرز درویشوں سے ان خاص حالات میں دین حق کی خدمت لے رہا ہے۔ قارئین کرام سے درخواست ہے۔ کہ وہ دعا فرمائیں۔ کہ اللہ تعالیٰ ہماری کمزوریوں کو دور فرمائے اور ہمیں اپنی راہ میں صبر اور رضا بالقضاء کا اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کا جو مقصد ہمارے یہاں قیام سے البتہ ہے وہ احسن طور پر پورا ہو۔ اور قادیان دارالامان کے متعلق لرادک الی معاد کا جو وعدہ خدا تعالیٰ کی طرف سے ہے وہ اپنی پوری عظمت اور شان سے جلد پورا ہو۔ آمین۔

وآخر کلمنا حمدٌ و شکرٌ
لمحسن ذی الامتنان۔

دنیا کو حقیقی امن کی طرف لے جانے والا نبی صلے اللہ علیہ وسلم

از مکرم مولوی شریف احمد صاحب فاضل امینی مبلغ انچارج مدراس

امن کی پکار

آج ہر طرف اور دنیا کے ہر ملک میں "امن" "امن" کی پکار اور سچے "امن" کی تلاش ہے۔ مگر دوسری طرف خفیہ طور پر دنیا کو جلد سے جلد ختم کرنے کے منصوبے اور تباہ کرنے کی تیاریاں ہو رہی ہیں۔ کوئی ملک دوسرے ملک سے اپنے آپ کو "امن" میں نہیں سمجھتا۔ مجلسیں قائم ہوتی ہیں۔ کمیٹیاں بنتی ہیں۔ پروگرام طے ہوتے ہیں۔ منشور شائع ہوتے ہیں۔ مگر ہر نئی مجلس کے قیام اور منشور کی اشاعت کے بعد دنیا میں بدامنی اور بے چینی کی لہر پہلے سے زیادہ سرعت کے ساتھ پھیلنے لگتی ہے۔ اس لئے کہ بڑے بڑے مدبرین سیاست اور ارباب حل وعقد کی زبانوں پر جو چیز ہے وہ اُن کے دلوں میں نہیں۔ ہر شخص اپنے ذاتی مفاد کے حصول۔ اقتدار کے قیام اور اپنے خود غرضانہ اغراض و مقاصد کی تکمیل کے لئے جد وجہد اور سعی پیہم کر رہا ہے۔ بعض نا عاقبت اندیش لوگوں نے موجودہ "برائی" کا موجب "مذہب" کو قرار دیا۔ اور وہ بالآخر مذہب سے ایسے برگشتہ ہوئے۔ کہ وہ نہ صرف مذہب بلکہ مذہب کے نقطۂ مرکزی خدا سے ہی بیگانہ ہو گئے۔ مذہب کو "افیون" قرار دے کر ضابطۂ اخلاق و روحانیت سے آزاد ہو گئے۔ اور اپنی جگہ یہ سمجھ لیا کہ ہم نے موجودہ "بدامنی" کا حل تلاش کر لیا۔ حالانکہ وہ دنیا کے امن کے لئے پہلے سے زیادہ خطرناک سمجھے جانے لگے آج بھی رنگ و نسل۔ قوم و ملک اور تہذیب و تمدن کا امتیاز دنیا کی قوموں میں موجود ہے Human chater تو تیار ہو رہے ہیں۔ مگر "انسان" کو انسانیت کا حق نہیں مل رہا۔ کیونکہ جب تک لوگوں کے "نظریۂ حیات" میں تبدیلی پیدا نہیں ہوتی۔ اور اُن کے اندر جذبۂ "خود غرضی" کے بجائے "بے نفسی" اور "وسعت نظر" اور "فراخ حوصلگی" پیدا نہیں ہوتی۔ اُس وقت تک دنیا کو حقیقی "امن" نصیب نہیں ہو سکتا۔

بدامنی میں ترقی

مورخہ ۲۷ ستمبر کو لوک سبھا میں بیان دیتے ہوئے وزیر اعظم ہند پنڈت نہرو نے فرمایا کہ:۔

"فوجی معاہدات کے نتیجہ میں مغربی ایشیا اور خصوصاً عربی ممالک میں بدامنی کا خطرہ بڑھ گیا ہے اور بین الاقوامی صورت حالات اُس سے زیادہ خطرناک ہو گئی ہے جو آج سے دو تین سال قبل تھی۔"

آخر اس کی وجہ کیا ہے کہ امن کے لئے جو قدم اُٹھایا گیا اُس کے نتیجہ میں "بدامنی" کی طرف ہی ایک اور قدم بڑھا اور امن و سکون اور طمانیت قلب کا سامان نہ ہو سکا۔ وجہ ظاہر ہے کہ ہم نے تمام معاملات پر انسانیت کے عالمی نقطۂ نگاہ سے غور کرنا چھوڑ دیا ہے۔ اور ہر شخص کے پیش نظر اس کا ذاتی یا ملکی یا قومی مفاد ہے۔ اور اسی قسم کی حالت دنیا کی اُس وقت تھی۔ جب کہ بانیٔ اسلام حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کا ظہور ہوا تھا۔ آپ نے اپنی بعثت کے اعلان

"یا ایّھا النّاس انّی رسول اللہ الیکم جمیعاً"

کے ساتھ تمام دنیا کے لوگوں کو خواہ وہ کسی رنگ و نسل۔ قوم و ملک سے تعلق رکھتے تھے انسانیت کے مشترکہ پلیٹ فارم پر جمع کیا۔ اور تمام اقوام عالم کا بین الاقوامی سطح پر سوچنے کی داغ بیل ڈالی۔ اور اس امر کی تعلیم دی۔ کہ امن کے قیام کے لئے ضروری ہے۔ کہ انسانیت سے تعلق رکھنے والے تمام معاملات میں عالمی نقطۂ نگاہ سے کام لیا جائے۔ اور یہ حقیقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خطبہ حجۃ الوداع سے عیاں ہے۔

خطبہ حجۃ الوداع

ذرا غور کیجئے۔ ایک انسان بہت بڑا انسان محض قومی یا نسلی لیڈر نہیں بلکہ پوری انسانیت کا قائد تمام جہانوں کے لئے مجسم رحمت اپنے انسان ساتھیوں کو مخاطب کر کے اُن کو آخری وصیت فرما رہا ہے۔

"اے لوگو! جو کچھ میں تم سے کہتا ہوں اسے توجہ اور غور سے سنو۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ میں اس کے بعد پھر اس وادی میں تمہارے سامنے کھڑے ہو کر تم سے اس طرح مخاطب ہو سکوں گا جس طرح اس وقت تم سے مخاطب ہوں۔ تمہاری جانوں اور تمہارے مالوں کو اللہ تعالےٰ نے قیامت کے دن تک ایک دوسرے کے حملوں سے محفوظ کر دیا ہے خدا نے میراث میں ہر وارث کا حق مقرر کیا ہے۔ کوئی وصیت نہیں ہو سکتی جو ایک جائز وارث کے مفاد کے خلاف ہو۔ ایک بچہ جو کسی گھر میں پیدا ہوتا ہے۔ وہ اُس گھر میں اپنے باپ کی طرف منسوب ہوگا ......

... اے لوگو بیویوں کے تم پر حقوق ہیں اور تمہارے اُن پر حقوق ہیں ... تمام مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ تم سب برابر ہو۔ تمام لوگ خواہ کسی بھی قوم یا قبیلے سے تعلق رکھتے ہوں اور کسی بھی درجہ کے مالک ہوں۔ سب آپس میں برابر ہیں۔"

اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دونوں ہاتھ اُٹھائے اور ایک ہاتھ کی انگلیوں کو دوسرے ہاتھ کی انگلیوں سے ملاتے ہوئے فرمایا

"جس طرح دونوں ہاتھوں کی انگلیاں ایک دوسرے کے برابر ہیں۔ اسی طرح تمام بنی نوع انسان آپس میں برابر ہیں۔ کوئی شخص بھی دوسرے پر کسی امتیازی حق یا بڑائی کا دعویٰ نہیں کر سکتا یاد رکھو تم سب بھائیوں کی طرح ہو۔"

خطاب جاری رکھتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"کیا تم جانتے ہو کہ یہ کونسا مہینہ ہے؟ اور یہ کونسی سرزمین ہے جس میں کہ اس وقت ہیں اور آج سال کا کونسا دن ہے؟"

صحابہ کرام نے عرض کیا۔ کہ یہ ذوالحجہ کا مبارک مہینہ۔ حرم کی مبارک سرزمین اور حج کا مبارک دن ہے۔ تب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

"جس طرح یہ مہینہ۔ یہ سرزمین اور یہ دن تمہارے لئے قابل احترام ہے بالکل اسی طرح خدا نے تم میں سے ہر شخص کی جان۔ مال اور عزت کو حرام قرار دیا ہے۔ کسی آدمی کی جان یا مال چھیننا یا اُسکی عزت پر حملہ کرنا ایسا ہی ظلم اور ایسی ہی معصیت ہے۔ جیسا کہ اس دن اس مہینے اور اس سرزمین کی حرمت کو توڑنا۔ جو حکم میں آج تمہیں دیتا ہوں۔ اسے صرف آج کے دن کے لئے ہی نہ سمجھو بلکہ وہ ہمیشہ کے لئے ہے۔ اس کو یاد رکھو۔ اور اس پر عمل کرتے چلے جاؤ۔ یہاں تک کہ تم اس جہان کو چھوڑ کر خالق حقیقی سے ملنے کے لئے دوسرے جہان کی طرف کوچ کر جاؤ۔"

اس خطبہ اور وصیت سے اندازہ ہو سکتا ہے۔ کہ عرب کے ایک تنگ ملک اور تمام سرزمین میں انسانیت کے اس عظیم پیغامبر نے انسانی تعلقات کا تصور قائم کرتے وقت اُس وسعت نظر سے کام لیا جس کا وسیع ترین انسانی مفاد متقاضی تھا۔

یہ تہذیب و تمدن کا دور

اس تہذیب و تمدن کے دور میں آج بھی کالے اور گورے کا امتیاز باقی ہے۔ مغربی و مشرقی کا تصور موجود ہے۔ نام نہاد نئی دنیا کے لوگ اب بھی پرانی دنیا خصوصاً ایشیا کو محکوم بنا کر اپنے تسلط و اقتدار کے خواب دیکھ رہے ہیں۔ جب ایک انسان کو بین الاقوامی سطح پر "انسانیت" کا صحیح مقام نہیں مل رہا۔ اور

حضرت مرزا بشیر احمد صاحب ایم۔ اے مدظلہ العالی کا اخبار بدر کے متعلق

پیغام

جلسہ سالانہ کے خاص نمبر کیلئے پیغام بھجوانے کیلئے خاکسار ایڈیٹر کی طرف سے سیدی حضرت مرزا بشیر احمد صاحب مدظلہ العالی کی خدمت میں درخواست کی گئی تھی آپ بوجہ علالت طبع مفصل پیغام ارسال نہیں فرما سکے لیکن آنمحترم نے جو مندرجہ ذیل چند فقرات تحریر فرمائے ہیں وہ قارئین بدر کے لئے باعث صد برکت اور موجب تسلی ہیں اور شکریہ کے ساتھ درج کئے جاتے ہیں۔ فجزاھم اللہ احسن الجزاء۔ (ایڈیٹر)

"میں چونکہ مسلسل دو ماہ سے بستر پر پڑا ہوا ہوں اس لئے افسوس ہے کہ بدر کے پیغام کے متعلق آپ کی خواہش پوری نہیں کر سکتا البتہ:۔

دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ صحیح معنے میں بدر کو بدر بنائے اور وہ اندھیرے میں گھومنے والوں کیلئے روشنی کا ایک مینار ثابت ہو بس یہی میرا پیغام ہے"

والسلام مرزا بشیر احمد ۵۷-۹-۲۸

ادھر دنیوی مشاغل اور ذاتی مفادیں اتنا انہماک کہ "خالق انسانیت" کی طرف نگاہ بھی نہیں اُٹھتی۔ اور علمبردار انسانیت، محسن اعظم رحمۃ للعالمین صلے اللہ علیہ وسلم کے منشور "حقوق انسانی" کو نظرانداز کیا جارہا ہے تو پھر دنیا میں صحیح بنیادوں پر امن قائم کس طرح قائم ہو۔ یہ تبھی ہوسکتا ہے۔ کہ تمام ممالک اور بین الاقوامی مجالس اور ارباب حل وعقد اُس پیغام امن کی طرف خلوص قلب سے توجہ کریں۔ جو آج سے چودہ سو برس قبل عرب کے صحراؤں میں دیا گیا تھا۔

دنیا میں بدامنی کی اقتصادی وجوہ

آج دنیا میں مختلف اقوام میں یا ایک ملک کے رہنے والے افراد میں جو باہمی کھچاؤ اور تنازعہ پایا جاتا ہے۔ وہ بدامنی کی طرف اُٹھنے والا پہلا قدم ہے۔ اُس کی وجہ اقتصادی بدحالی بیان کی جاتی ہے۔ امارت و افلاس کا انتہائی تفاوت۔ سرمایہ دار و مزدور کی باہمی بے اعتمادی اور حکومت و رعایا میں باہمی منافرت۔ اس "امن" کی آگ کو اور ہوا دے رہے ہیں۔

چنانچہ اس صورت حالات کا مقابلہ کرنے کے لئے اور بدامنی کی آگ سے بچنے کے لئے کئی ازم (سوشلزم) معرض وجود میں آئے۔ مگر اس صورت حالات پر قابو پانے میں پوری طرح کامیابی حاصل نہیں ہورہی۔ اور جن باتوں کو ایک لمبے غور و خوض اور فلسفہ دانی کے بعد انسانیت کے ابتدائی مگر لازمی حقوق تسلیم کیا گیا۔ وہ مکان۔ لباس اشیاء خورد و نوش ہیں۔ اور اس فلسفہ انسانیت کو سوشلزم کا خوبصورت لیبل لگا کر دنیا کے سامنے پیش کیا گیا۔ اگر خالی الذہن ہوکر دیکھا جائے۔ کہ انسانیت کا یہ منشور اور اقتصادی مشکلات کا حل بانیٔ اسلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے آج سے چودہ صدیاں پہلے ہی کس خوش اسلوبی اور بیدار مغزی سے بیان فرمادیا تھا۔ جبکہ موجودہ نظاموں یا ازموں میں سے اُس وقت کوئی بھی موجود نہ تھا۔ تو روح وجد سے رقص کرتی ہے۔ اور زبان اُس محسن اعظم پر درود وسلام پڑھتی ہے۔ دیکھئے وہ امن کا پیغامبر اور انسانیت کا علمبردار فرماتا ہے۔

لَيْسَ لِابْنِ آدَمَ حَقٌّ
سِوَى خِلَالٍ خِصَالٍ
بَيْتٌ يَسْكُنُهُ، لِبَاسٌ
يُوَارِي عَوْرَتَهُ، وَجِلْفُ
الْخُبْزِ وَالْمَاءِ (ترمذی)

کہ ہر انسان کے یہ لازمی حقوق ہیں۔ کہ اُس کے رہنے کے لئے مکان ہو۔ اور پہننے کے لئے لباس ہو۔ اور اُس کی زندگی کے قیام کے لئے روٹی اور پانی کا انتظام ہو۔ ہر انسان کے ان حقوق کی ادائیگی سوسائیٹی۔ قوم ملک اور حکومت کے ذمہ ہے۔ اگر کوئی حکومت اپنے ماتحت افراد کے لئے ان ابتدائی اور لازمی انسانی حقوق کا انتظام نہیں کرسکتی۔ وہ قائم رہنے کے قابل نہیں۔ اور اگر وہ زبردستی اور جبر سے اپنے آپ کو قائم رکھنے کی کوشش کریگی تو اُس کے نتیجہ میں امن کی بربادی اور باہمی انتشار اور بے اطمینانی پیدا ہوگی۔ ان لازمی حقوق کی ادائیگی کے ساتھ ساتھ جہاں عوام کو یہ تعلیم دی۔ کہ وہ ایک دوسرے کی جان، مال اور عزت کی حفاظت کریں۔ اور ایک دوسرے پر حملہ آور نہ ہوں۔ وہاں حکومت کے فرائض میں بھی اس امر کو داخل کیا۔ کہ حکومت اپنی رعایا کے ہر فرد کی جان۔ مال اور عزت کی محافظ و نگران ہے۔ ان فرائض کی ادائیگی کے بعد ہی کوئی حکومت اپنے ماتحت افراد سے اطاعت و وفاداری کی امید رکھ سکتی ہے۔

آج دنیا میں صحیح اور پائیدار امن" صرف" امن"۔"امن" کا نعرہ لگانے سے قائم نہیں ہوسکتا بلکہ اُس وقت قائم ہوگا۔ جب سب ملکوں کے ارباب حل وعقد اور عوام اپنے دلوں کو صاف کرکے انسانیت کی بلند نظری سے بین الاقوامی مسائل کا حل تلاش کریں گے۔ اگر بین الاقوامی مجالس اور کمیٹیوں میں کا غذوں پر تو قیام امن کی تجاویز اور اسکیمیں لکھی جاتی رہیں۔ اور اُدھر خفیہ طور پر امن کو برباد کرنے اور انسانیت کو طرفۃ العین میں تباہ کرنے کے منصوبے سوچے جائیں۔ اور خطرناک بم تیار کئے جائیں۔ جنگی تیاریاں تیز سے تیز تر کردی جائیں۔ تو امن کس طرح قائم ہوسکتا ہے۔ روحوں کو چین اور دلوں کو قرار کیسے آسکتا ہے۔

حقیقی امن تبھی قائم ہوسکتا ہے کہ جب حضرت بانیٔ اسلام صلے اللہ علیہ وسلم کے پیغام حیات "اسلام" یعنی "امن وسلامتی" کو ہر شعبہ زندگی میں نہ صرف مد نظر رکھا جائے بلکہ اپنایا جائے۔ کیونکہ اُس پیغام و منشور کا سرچشمہ خدائے علیم وخبیر اور السلام کی ذات برحق ہے۔ مختلف ٹھوکریں کھانے اور ہولناک حالات سے دوچار ہونے کے بعد بالآخر تمام دنیا کو اُس پیغامبر امن صلے اللہ علیہ وسلم کی طرف رجوع کرنا ہوگا۔ جس نے آج سے چودہ سو سال پہلے عرب کی سرزمین میں تمام نسل انسانی کو "امن، صلح" کا پیغام دیا چنانچہ گذشتہ سال ماہ ستمبر ۵۶ء میں جب وزیراعظم ہند پنڈت نہرو سعودی عرب کے دورہ پر گئے۔ اور عربوں نے آپ کو "رسول اسلام" کا خطاب دے کر آپ کا استقبال کیا۔ تو آپ نے اس موقعہ پر . . . . اِس حقیقت کا کھلے الفاظ میں اعتراف کیا۔ کہ

"مجھے رسول امن کہا ہے۔ مجھے کہنے دیجئے۔ کہ اس دور میں ہر سمجھدار آدمی امن کا پیغامبر ہے۔ امن کا یہ جذبہ ساری دنیا میں عام ہے۔ مجھے امید ہے کہ عوام کو دوبارہ جنگ کی ہولناکیوں کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا۔ عرصہ پہلے اس سرزمین نے ساری دنیا کو امن اور انسانی اخوت کا پیغام دیا تھا۔ اس سرزمین کو ہر سال دنیا بھر سے لاکھوں آدمی حج و زیارت کے لئے آتے ہیں۔ میں بھی یہاں ایک زائر کی حیثیت سے "امن اور دوستی" کی تلاش میں آیا ہوں"

(پاسبان بنگلور ۲۷ ستمبر ۵۶ء)

اس اعتراف حقیقت کو پڑھئے اور اس "پیغامبر امن" صلی اللہ علیہ وسلم پر درود وسلام بھیجئے جس کی غلامی و اطاعت کا ہم کو شرف و سعادت حاصل ہے۔
اللّٰھم صل علیٰ محمد وعلیٰ آل محمد وبارک وسلم ⁂

قصیدہ

در شانِ رسولِ اکرم نبیٔ معظم حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم

(از جناب حکیم خلیل احمد صاحب مونگھیری ناظر تعلیم و تربیت قادیان)

فنا بقا لئے آیا پیام ہے تیرا
خرام حشر و قیامت قیام ہے تیرا

اِدھر توجہ تری حق شناسی وحق پرور
اُدھر کو قاتل باطل سہام ہے تیرا

گرائی بجلی اگر قصرِ روم پر تو نے
تو ارضِ شام پہ برسا غمام ہے تیرا

بجھائی آتش صد سالہ تو نے ایراں کی
منار مصر پہ چمکا سرام ہے تیرا

نشان باقی ہے مغرب میں نقش پاکی ترے
اور شش جہت میں ہنوز ازدہام ہے تیرا

بھگایا خانہ کعبہ سے تو نے لات و ہبل
خدا کا نام جگایا یہ کام ہے تیرا

پسند آئی نہیں تجھکو بُوئے شرک کبھی
معطر از گلِ وحدت مشام ہے تیرا

محمدؐ عربی بادشاہِ ہر دوسرا
بڑی ہے شان بڑا احترام ہے تیرا

فلک سے لیتے ہیں چشمک کی ذرۂ ہائے حجاز
مقام بطحیٰ میں جب سے قیام ہے تیرا

تو پہنچا عرش پہ جبریل رہ گئے تھک کر
وفورِ عشق میں وہ تیز گام ہے تیرا

فرشتوں پر نہیں موقوف ربِّ عزت خود
درود پڑھتا ہے جس پر وہ نام ہے تیرا

یہ معجزہ ہے کہ فیضانِ نطق سے گونگے
کلیم ہوگئے ہیں وہ کلام ہے تیرا

سخاوت ایسی کہ وہ کنز جو کہ مخفی تھا
لُٹا دیا اُسے یہ فیض عام ہے تیرا

جُدا خدا سے نہیں تو ہے وہ نہ تجھ سے جدا
گل اور بُو کی طرح انضمام ہے تیرا

خدا نمائی کا دعویٰ ہے تیرے مستوں کو
کچھ ایسی مے ہے تری ایسا جام ہے تیرا

ہمارا ہی نہیں نبیوں کا بھی امام ہے تو
بجز خدا کے نہ کوئی امام ہے تیرا

قسم ہے طور کی والتین اور زیتون کی
تمام نبیوں سے احسن قوام ہے تیرا

نگاہِ لطف و کرم کی خلیل پر بھی ہو
ترے غلاموں کا ادنیٰ غلام ہے تیرا

تحریک احمدیت اور موجودہ زمانہ کی ضرورت

از مکرم مولوی سمیع اللہ صاحب انچارج احمدیہ مسلم مشن بمبئی

مارکسزم اور احمدیت

خلافت آدم اینگلز نے لکھا ہے کہ انسان دورِ تہذیب و تمدن سے پہلے سمندروں کے کنارے رہتا تھا یا جنگلوں کی آغوش میں۔ اُس وقت یہ مذہب و روحانیت سے عاری تھا اور اقتصادی وسائل سے محروم۔ زندگی بے مقصد تگ و دو میں صرف ہو رہی تھی۔ لیکن ہمیں قرآن کریم سے معلوم ہوتا ہے کہ جب انسان اس دورِ جہالت سے نکلا۔ اس کو اپنی ہستی کا احساس ہوا۔ اور اُس نے مقصدِ زندگی کی طرف قدم بڑھایا۔ تو خدا نے اس کی دستگیری کی۔ اور وہی انسان جو ابھی دریا کے دشوار کناروں اور جنگل کی پیچیدہ راہوں میں بھٹک رہا تھا اب خلافتِ ارضی کے لئے منتخب کیا گیا۔ اِنِّی جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خلیفہ فلسفۂ الٰہیات کا عالم بنایا گیا۔ علم الانسان مالم یعلم اور ایک ایسے علاقہ کا وارث ٹھہرایا گیا۔ جہاں وسائل معاش کی فراوانی تھی۔ کلا منھا رغدا حیث شئتما۔

پھر اسے یہ حقیقت بھی سمجھائی گئی کہ تم ایک ایسا نظام زندگی قائم کرو۔ جو انسانی ضروریات کا کفیل ہو۔ اور جس میں خدا پرستی کے ساتھ ہر آدمی کی معیشت کے سامان بھی میسر ہوں۔ انک ان لا تجوع فیھا ولا تعری وانک لا تظمأ فیھا ولا تضحٰی۔

دہریت انسان اس وصیت الٰہی کو لے کر سفرِ زندگی پر روانہ ہوا اور دورِ تہذیب و تمدن کی برکات سے متمتع ہونے لگا۔ مگر رہ رہ کر وہ قدر شناسی، عالی ظرفی اور شکر گذاری کا جذبہ جو انسانیت کا جوہر ہے۔ آہستہ آہستہ گھٹنے لگا۔ اور اب انسان نے خدا کے مقابلہ میں اپنی قوتِ تخلیق کا مظاہرہ شروع کیا۔ ارسطو، جان سٹوارٹ مل، کارل مارکس اور اینگلز وغیرہ نے مذہب و روحانیت کے مقابلہ میں الحاد و دہریت کا فلسفہ ایجاد کیا۔ اور اخلاقی و روحانی افکار پر ایک فکرِ معاش کو ترجیح دی۔ اور اس طرح انسان پھر ایک بار دورِ وحشت و بربریت میں پہنچ گیا۔

ارسطو، ہیگل اور کارل مارکس اب حضرت آدم اور دیگر پیشوایانِ مذاہب کے مقابلہ میں ارسطو کو پیش کیا گیا۔ اور اس کی منطق کی ایک شاخ فلسفۂ اضدادیات کی دادِ تحقیق دی گئی۔ ہیگل اور کارل مارکس دونوں اس فلسفہ کو لے کر بڑھے۔ دونوں نے بیک زبان یہ کہا کہ تعرف الاشیاء باضدادھا۔ اور دنیا کا سلسلۂ ارتقاء عمل اضدادیات کا نتیجہ ہے۔ دن رات۔ بہار و خزاں اور موت و زندگی ان تمام اضدادی افعال سے معلوم ہوتا ہے کہ زندگی ایک مسلسل کشمکش کا نام ہے۔ اور مختلف اشیاء کی فعلی و انفعالی قوت سے ایک تیسری چیز پیدا ہوتی ہے۔

فلسفۂ وجود و شعور لیکن ہیگل اور کارل مارکس میں یہ فرق ہے کہ ہیگل تصور کو خارجی حقیقت پر اثر انداز مانتا ہے جس کی تفصیل میں یہ بات بھی آجاتی ہے کہ خدا اور مذہبی عقائد نے انسانی تہذیب و تمدن اور معاشرت کی تخلیق کی ہے۔ مگر کارل مارکس اس نظریہ کا شدید مخالف ہے کہ وجود کو شعور پر عمل کو علم پر اور خارج کو تصور پر تقدم حاصل ہے۔ اس لئے مارکسزم میں کوئی نادیدہ، غیر مادی، غیر مرئی وجود نہیں۔ بلکہ ان کا قول ہے کہ خدا، مذہب اور اخلاق سب انسانی تہذیب و تمدن کی پیداوار ہیں۔ اس لئے ہماری ضروریات تہذیب و تمدن کی تبدیلی کے ساتھ ان اخلاقی و روحانی اصطلاحوں کی تعریف بھی بدلتی جائے گی۔ یہی کہہ کر مارکس اور اینگلز نے ایک خالص مادی سوسائٹی یعنی کمیونسٹ پارٹی کی بنیاد ڈالی۔ جس سے تمام اخلاقی و روحانی اقدار نکال ڈالی گئیں اور صرف فلسفۂ معاشیات کو جگہ دی گئی۔ اور یہ کہا گیا کہ دنیا میں ایک ہی حقیقت ہے۔ اور وہ ہے اقتصادی و معاشی مسئلہ ہے باقی سارے اخلاقی و روحانی مسائل باطل و بے حقیقت ہیں۔ یہ کہہ کر مارکس نے انسان کا سمتِ سفر ہی بدل ڈالا۔ اور انسان کو پھر اسی دریا کے کنارے اور جنگل کی آغوش میں پہنچا دیا۔ جہاں وہ شب و روز صرف فکرِ معاش میں پریشان رہتا تھا۔

دفاعی تحریکیں شکم پروری کی دعوت جو کارل مارکس نے دی۔ ایک عظیم الشان طوفان کا سبب بنی اور دنیا زبانِ حال سے ایک ایسے فلسفہ کی تلاش کرنے لگی۔ جو بنی نوع انسان کو مادہ پرستی کے اس ہولناک سیلاب سے نجات دے سکے۔ نیشنلزم۔ فاسزم اور نازیزم کی تحریکیں اس مارکسزم کے جواب میں جاری کی گئیں۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ اس حملہ کی مدافعت کوئی مادی تحریک کر سکی نہ روحانی۔ بلکہ ساری دینی و دنیوی تحریکیں مارکسزم سے متاثر ہونے لگیں .... لوگوں نے بڑی تیزی سے اپنے اپنے معاشی اخلاقی اور روحانی نظریوں میں ترمیم شروع کر دی۔ زمانہ کی اس شکست خوردہ ذہنیت کو دیکھتے ہی ہر اہلِ نظر نے محسوس کر لیا کہ اب خدا اور مذہب کی ہستی پر یقین کا برقرار رہنا دشوار ہے۔ اس لئے کہ کارل مارکس نے جس طرح خدا اور مذہب کو چیلنج کیا تھا۔ اس کا جواب محض فلسفہ و حجت سے دینا بے کار تھا۔ اس کے لئے ضرورت اس امر کی تھی کہ دنیا کو خدا کا چہرہ دکھایا جائے اور دنیا پر علوم الٰہیہ کے اسرار کھولے جائیں۔

تحریک احمدیت موجودہ زمانہ کی یہی ضرورت اور اہلِ دل کی یہی دعا تھی جو تحریک احمدیت کی صورت میں ظاہر ہوئی۔

علوم الٰہیہ کا انکشاف کارل مارکس نے اپنے فلسفیانہ زعم میں کہا تھا کہ کوئی غیر مادی وجود اور نادیدہ ہستی نہیں۔ اور نہ ایسی شئے کا علم ہی ممکن ہے۔ تحریک احمدیت کے بانی حضرت مرزا غلام احمد علیہ السلام نے مارکس کے اس فلسفہ کا روحانی ہتھیاروں اور خداداد سامانوں سے مقابلہ کیا۔ اور لوگوں کو اس نادیدہ غیر مادی اور غیر مرئی ہستی کا چہرہ دکھایا اور آواز سنائی۔ اور کارل مارکس نے جو کہا تھا کہ وجود کو شعور پر اور خارج کو تصور پر تقدم حاصل ہے۔ اس باطل فلسفہ کا اس طرح عملی جواب دیا کہ دنیا پر علوم الٰہیہ کے ہزاروں اسرار کھولے اور ہزاروں ایسی باتیں کہیں جن کا اس وقت کوئی خارجی وجود نہ تھا۔ تباہی زار کی پیشگوئی، بڑی بڑی جنگوں کی نشاندہی، مصلح موعود کی بشارت۔ پنڈت لیکھرام اور الیگزنڈر ڈوئی کی ہلاکت۔ داغ ہجرت اور ترقی جماعت احمدیہ کی خوشخبری ان جیسے سینکڑوں ملکی امور اور بین الاقوامی حالات کے علاوہ چھوٹی چھوٹی جزئیات اور روزمرہ کے معاملات کے متعلق آپ نے اتنے علوم الٰہیہ کا انکشاف فرمایا۔ کہ کارل مارکس کو جہالت و نادانیت کے پردہ میں اپنا منہ چھپانا پڑا۔ اور اس طرح آپ نے خدا کی فعلی شہادت سے یہ ثابت کر دیا کہ دراصل شعور کو وجود پر علم کو عمل پر اور تصور کو خارجی اشیاء پر تقدم حاصل ہے۔ اور اگر کارل مارکس نے اس حقیقت سے انکار کیا تو اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ اس کوچہ کی رسم و راہ سے نابلد تھا۔ اس نے اپنے فلسفہ کی بنیاد عدم علم پر رکھی اور عدم علم سے عدم شئے لازم نہیں آتا۔

مارکس اور احمدیت کا اقتصادی پروگرام اب رہ گیا مارکس کا اقتصادی فلسفہ اور یہ دعویٰ کہ صرف مارکسزم ہی دنیا سے افلاس و بیروزگاری دور کر سکتا ہے۔ اور صرف اسی کے ذریعہ دنیا میں اشتمالی سماج قائم ہو سکتا ہے تو اس کا عملی جواب بھی صرف احمدیت نے پیش کیا۔ اور وہ ہے اس کا اپنا نظام اور تحریک الوصیت۔ مارکسسٹوں کو ایک ادھورا سا اشتراکی سماج قائم کرنے میں لاکھوں انسانوں کا خون بہانا پڑا۔ تقریر و تحریر کی آزادی سلب کرنی پڑی اور بنی نوع انسان سے مشین کے پرزوں اور حیوانی گلوں کی طرح کام لینا پڑا۔ لیکن تحریک احمدیت نے یہی مقصد انسانیت کے اعلیٰ اصول پر عمل کر کے حاصل کیا۔ ایک طرف جماعت احمدیہ کا نظام الوصیت مارکس کی اقتصادی دیانت کا بہترین جواب ہے تو دوسری طرف جماعت احمدیہ کی تنظیم۔ اس کی گوناگوں ضروریات اور آمد و خرچ کے ذرائع اس مکمل اشتراکی سماج کا صحیح عملی نمونہ ہے۔ جسے مارکسزم کبھی قائم نہیں کر سکتا۔ اس لئے یہ کہنا درست ہے کہ موجودہ زمانہ میں مارکسزم کے مادی و اقتصادی حملہ سے تحریک احمدیت ہی محفوظ رکھ سکتی ہے۔ اور آج قلعہ احمدیت ہی پناہ گزیں ہو کر ہی دینی و دنیوی دولت کی حفاظت کی جا سکتی ہے۔

ناموس پیشوایان مذاہب اور احمدیت

مذہبی تنگ نظری حیاتِ انسانی کے مسلسل مشاہدہ و تجربہ نے ثابت کر دیا کہ مختلف اقوام عالم کے درمیان دوستی و مصالحت مذہبی بنیاد پر ہی کی جا سکتی ہے۔ لہذا ہر قوم کا فریضہ تھا کہ دوسرے کی مذہبی روایات و رسوم کا مطالعہ کرتی اور آپس میں صلح و محبت کا ہاتھ بڑھاتی۔ مگر واقعہ یہ ہے کہ فلسفۂ اخلاق کی موشگافیوں اور علم الاقوام کی باریک بینیوں کے باوجود قومیں ایک دوسرے کے مذہبی سرمایہ سے مستفید ہونے کے لئے تیار نہیں ہوئیں۔ کارل مارکس اور اینگلز کو جانے دیجئے کہ ان کے نزدیک تو دنیا میں کوئی قابل مطالعہ مذہبی سرمایہ ہی نہیں۔ لیکن جو اہلِ مذاہب تھے انہوں نے بھی دوسرے مذہبی روایات و خیالات کو قابل التفات نہ سمجھا۔ بلکہ ہر قوم اپنے ہی ماحول میں مگن رہی۔ اور اپنے اپنے پیشوایانِ مذاہب کو دوسروں سے بچاتی

رہی۔ مبادا کسی کی نظر نہ لگ جائے۔ اس کا انجام یہ ہوا کہ مذہبی ادارے تنگ نظری کم ظرفی اور خود غرضی میں بدنام عالم ہو گئے اور اس رواداری و روشن ضمیری کے زمانہ میں بھی دیوتاؤں کی جنگ جاری رہی۔ اگر یہ صورت نہ ہوتی تو توہین انبیاء و اوتار کا سلسلہ کبھی کا ختم ہو جاتا۔ اور ساری قومیں متفقہ جد و جہد سے پیشوایانِ مذاہب کے ناموس و عزت قائم کرنے میں سرگرم عمل ہو جاتیں۔ اور انہیں اقوام عالم سے متعارف کرانے کے لئے آگے بڑھتیں۔ مگر شاہد گواہ ہے کہ کسی مذہبی و روحانی ادارے کو یہ توفیق نہ ملی۔ ہندوستان کی برہمو سماج کے دل میں یہ تحریک ضرور پیدا ہوئی۔ مگر اس تحریک کے بانی راجہ رام موہن رائے نے وحی و الہام سے انکار کر کے سب سے پہلے تمام پیشوایانِ مذاہب اور آسمانی کتب کی تکذیب کر دی۔ اور یہ تحریک نفع بخش ہونے کی بجائے نقصان دہ ثابت ہو گئی۔ تھیوسافیکل سوسائٹی نے بھی اس مقصد کو پیش نظر رکھ کر کوئی عالمگیر جد و جہد نہیں کی۔ بلکہ اس کا رجحان دہریت کی طرف بڑھ گیا۔

احمدیت اور پیشوایانِ مذاہب لیکن جب ہم ان مذہبی تحریکوں کے درمیان تحریک احمدیت کا مطالعہ کرتے ہیں۔ تو دیکھتے ہیں کہ اس جماعت نے اسی بین الاقوامی ضرورت کی طرف پوری توجہ کی۔ اور تمام رہنمایانِ روحانی کا دنیا سے تعارف کرانے کے لئے صحیح فکر۔ درست عقیدہ اور راست اقدام لے کر میدان عمل میں آئی۔ اور واقعی نامحرموں کے لئے یہ کتنی تعجب خیز بات تھی۔ کہ مرزا غلام احمد علیہ السلام نے جو مذہب اسلام کے ایک کامل داعی اور حضرت محمد مصطفیٰ صلے اللہ علیہ وسلم کی محبت میں فنا تھے۔ وید۔ گیتا۔ دھرم پد وغیرہ کا نہایت حسن ظن سے مطالعہ کیا۔ اور کرشن علیہ السلام۔ رام علیہ السلام۔ بودھ علیہ السلام۔ زرتشت علیہ السلام۔ کنفیوشس علیہ السلام اور بابا نانک رحمۃ اللہ علیہ وغیرہم کی راستبازی و صداقت شعاری کا اقرار کیا۔ پھر اس اقرار کی بنیاد صرف روایت و درایت پر نہیں رکھی۔ بلکہ خدا سے وحی پاکر ان بزرگان امم کی نبوت۔ رسالت و ولایت کا اعلان کیا۔ اور ہر طرف یہ ندا دی کہ ان بزرگوں کے آثار اور یادگاروں سے مستفید ہونے کا سب کو مساوی حق ہے۔ اور واقعی دنیا میں کوئی شئے دولت مشترکہ ہے تو یہی مذہبی سرمایہ ہے۔

پائیدار مصالحت اب حضرت مرزا غلام احمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اس تعلیم کے نفع بخش پہلو پر نظر ڈالئے تو معلوم ہوگا کہ تحریک احمدیت کی اس تعلیم نے صدیوں سے نزاعوں کا یکلخت تصفیہ کر دیا۔ تمام قوموں کی طرف مصالحت دوستی کا ہاتھ بڑھایا۔ اور تمام مذہبی قوموں کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کر دیا۔ موجودہ زمانہ میں مختلف اقوام کے درمیان مصالحت اہل مذاہب کی نیک نامی اور پیشوایانِ مذاہب کی صحیح عزت افزائی کے لئے اسی تعلیم کی ضرورت تھی۔ جو تحریک احمدیت کے ذریعہ پوری ہوئی۔

"نظریہ وطنیت" اور احمدیت

احمدیت اور انبیاء کی بعثت ثانیہ اس تحریک کا ایک اور پہلو ہے اور وہ یہ کہ حضرت مرزا غلام احمد علیہ السلام نے موعود اقوام عالم ہونے کا دعویٰ کیا۔ اور اپنے اس دعویٰ پر سینکڑوں عقلی و نقلی دلائل پیش کیں۔ وہ ہندو مسلم اور سکھ عیسائی وغیرہ جو اپنے سلسلہ میں ایک موعود کے ظہور کا انتظار کر رہے ہیں۔ اس الحاد و دہریت کے دور میں ان کا یہ انتظار بے معنی سمجھا جاتا ہے۔ اور جو اس ظہور کے منتظر ہیں۔ وہ بھی طرح طرح کے شکوک و شبہات میں مبتلا ہیں۔ اس طرح اگر دیکھا جائے تو ہر نبی و اوتار کی بعثت ثانیہ معرض شکوک و شبہات میں پڑ گئی ہے۔ لیکن تحریک احمدیت کا ایک احسان یہ بھی ہے کہ اس نے لاکھوں ایسے انسان پیدا کر دیئے۔ جو نبیوں اور اوتاروں کی اس پیشگوئی کی صداقت پر پختہ ایمان رکھتے ہیں اور انہوں نے حضرت مرزا غلام احمد علیہ السلام بانیٔ تحریک احمدیت کے دعویٰ موعود اقوام عالم کو تسلیم کر کے اپنے قول و فعل سے اس بات کی شہادت دے دی کہ کرشن۔ رام۔ بودھ وغیرہ تمام پیغمبروں کے وعدے برحق تھے۔ اور یہ وعدے حضرت مرزا غلام احمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ظہور سے پورے ہو گئے۔ اس کا فائدہ یہ ہوا کہ انبیاء و اوتاروں کی بعثت ثانیہ کی وہ پیشگوئی جو معرض شکوک و شبہات میں پڑ گئی تھی۔ ایک ٹھوس حقیقت بن گئی۔

وطن پرستی اور تکمیل انسانیت اب ہم "نظریہ وطنیت" پر گفتگو کرتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ شیخ سعدی نے اعضاء جسمانی کا تعلق بیان کرتے ہوئے جو کہا تھا کہ

چوں عضوے بدرد آورد روزگار
دگر عضوہا را نماند قرار

اگر اس نقطۂ نظر سے دیکھا جائے تو آج انسانیت کے ایک پہلو کی تکمیل ہو گئی ہے۔ آج ایک قوم یا ملک کی سیاسی و قومی حالت دوسرے پر ایسی ہی اثر انداز ہوتی ہے۔ جیسے جسم کا ایک عضو دوسرے پر۔ معاہدۂ بغداد سے بھارت اور دوسرے غیر جانبدار ممالک متاثر ہو رہے ہیں۔ اور معاہدۂ روس و شام سے امریکن بلاک پریشان ہے۔ اخبارات دیکھئے۔ لیڈروں اور ریڈیو کے بیانات سنئے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں معاہدے گویا دو خاندانوں کے معاہدے تھے اور دونوں ہی خاندان ایک دوسرے سے متاثر رہے ہیں۔ اسی طرح آج ملک کا کوئی سا حصہ قحط۔ سیلاب یا زلزلہ کی زد میں آجاتا ہے۔ تو دوسرے حصے ویسے ہی متاثر ہوتے ہیں۔ جیسے جسم کے ایک عضو کے درد سے دوسرا عضو۔

روحانی ہمدردی لیکن اگر اس تعلق کا دوسرے زاویۂ نگاہ سے مطالعہ کیجئے تو معلوم ہوگا کہ یہ انسانی ہمدردی اور محبت کی گرم جوشی صرف سیاسی و وطنی تعلقات تک محدود ہے۔ اگر اسی قسم کی کوئی مصیبت کسی قوم کے مذہب اخلاق و روحانیات پر آجائے تو ملک کے دوسرے حصے یا یوں کہیئے کہ جسم کے دوسرے اعضاء پر کوئی اثر نہیں ہوتا۔ بلکہ اس تعلق کی بنا پر کسی سے اظہار محبت فتنہ انگیزی۔ وطن دشمنی اور بے جا تعصب سمجھا جاتا ہے۔ حالانکہ عدل و انصاف کا یہ تقاضا ہے کہ جس طرح قومی و ملکی سیاست میں دلچسپی لی جاتی ہے اسی طرح مذہبی و روحانی معاملات میں بھی دلچسپی لی جائے۔ اگر ایسا ہوتا۔ تو انسان آج وطن دوستی و خدا پرستی دونوں قسم کی صحیح برکات سے مستفید ہوتا۔

تکمیل انسانیت۔ اخلاص عمل اور صداقت محبت اسی کا نام ہے۔ اور انسانیت پرستوں کا یہی وہ تقاضا تھا جسے پورا کرنے کے لئے ایک جامع و بالغ فلسفۂ انسانیت کی ضرورت تھی۔ تحریک احمدیت اسی فلسفہ کا دوسرا نام ہے۔

وطن دوستی و خدا پرستی تحریک احمدیت اس محبت یا پالیسی کو ناقص قرار دیتی ہے۔ جس کی بنیاد محض وطن پرستی پر ہو۔ اور مفاد وطن پر خدا پرستی قربان کی جاتی ہو۔ تحریک احمدیت وطن دوستی کے ساتھ ساتھ تمام قوموں کو خدائی نوشتے یاد دلاتی ہے۔ نبیوں اور اوتاروں کے احکام پر چلنے کی تاکید کرتی ہے۔ اور اخلاقی و روحانی زوال پر آنسو بہاتی ہے۔ شراب نوشی عصمت فروشی۔ سول نافرمانی۔ دروغ بافی و عہد شکنی۔ یہ ایسے جرائم ہیں جن سے اخلاق و روحانیت پر موت وارد ہوتی ہے۔ مگر ان میں بعض اقتصادی و سیاسی فوائد بھی ہیں۔ اس لئے آج ان کا ارتکاب قابل مواخذہ نہیں سمجھا جاتا۔ بلکہ بڑی بڑی حکومتیں بھی امور پر اپنی سیاسی و اقتصادی پالیسی وضع کرتی ہیں۔ اور سچ پوچھئے تو موجودہ زمانہ کی سیاسی پیچیدگی اور اقتصادی زبوں حالی کا یہی سبب ہے۔ تحریک احمدیت ایسی خود غرضی و مفاد پرستی کی سخت مخالف ہے یہ اگر ایک طرف معاشی و اقتصادی خوشحالی کا تیار ضروری سمجھتی ہے تو دوسری طرف اخلاقی و روحانی قدروں کا احیا بھی ضروری قرار دیتی ہے۔ اور یہی اس زمانہ کی سب سے بڑی ضرورت ہے۔ جو احمدیت کے ذریعہ پوری ہو رہی ہے۔

ملت اسلامیہ اور احمدیت

مسلمان اور احمدیت اب ہم مسلمانوں کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ اور دیکھتے ہیں کہ موجودہ زمانہ میں امت مسلمہ کو تحریک احمدیت کی ضرورت ہے یا نہیں؟ جب ہم عقل و نقل سے اس سوال پر غور کرتے ہیں۔ تو اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ مسلمانوں کی اصلاح اور ملت اسلامیہ کی نشأۃ ثانیہ کے لئے تحریک احمدیت کا قیام ناگزیر ہے۔

ملہم وجود سب سے پہلے ہم امت محمدیہ کی تاریخ عروج و زوال پر نظر ڈالتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ امت محمدیہ کا احیاء و نشأۃ ثانیہ ہمیشہ ان روحانی پیشواؤں کے ذریعہ ہوئی ہے۔ جن کو سنت اللہ قصداً و ارادۃً اسی مقصد کے لئے مبعوث کیا کرتی ہے۔ جیسے شیخ عبدالقادر صاحب جیلانی شیخ معین الدین چشتی اور مجدد الف ثانی رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ۔ یہ ہمارے وہ اسلاف ہیں۔ جو صاحب وحی و الہام تھے اور جن پر بعض اوقات خدا کی طرف سے اسرار غیبیہ کا انکشاف ہوتا تھا۔ اور جنہوں نے خدائی اعلام کے مطابق اپنے وجود کو ایک مصلح و مجدد کے طور پر پیش کیا۔

غیر ملہم کی راہنمائی یہ سنت الٰہی ایسی ظاہر و باہر ہے کہ چودہ سو سال کی طویل مدت میں کوئی زمانہ ایسا نظر نہیں آتا۔ جب کسی غیر ملہم شخصیت کے ذریعہ امت محمدیہ کی مذہبی و روحانی اصلاح ہوئی ہو۔ ہاں اس عرصہ میں بہت سی ایسی سیاسی و ملکی تحریکیں ضرور میدان عمل میں آئیں۔ جن کی رہنمائی غیر ملہم اشخاص کرتے رہے۔ لیکن مشاہدہ شاہد ہے کہ ایسے اشخاص کی رہنمائی امت مسلمہ کے لئے کچھ مفید ثابت نہیں ہوئی۔ بلکہ امت مسلمہ دن بدن اخلاقی و روحانی زوال میں مبتلا ہوتی گئی۔ اور دنیا بھی ہاتھ سے جاتی رہی۔ مثلاً تحریک مسلم لیگ۔ جمعیۃ علماء ہند۔ احرار کانفرنس اور اتحاد المسلمین وغیرہ کی مثالیں ہمارے سامنے ہیں۔

مامور من اللہ کی بعثت اب ان کے مقابل تحریک احمدیت کو دیکھئے۔ تو اس کی رہنمائی ایک مامور من اللہ

اور ملہم وجود کے ہاتھ میں ہو۔ جسے بکثرت خدا سے ہم کلامی کا شرف پایا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ یہ جماعت خداشناسی۔ علم دوستی۔ قربانی اور تنظیم میں معجزانہ رنگ اختیار کر گئی۔ اور آج تو تحریک احمدیت ایک بین الاقوامی حیثیت کی مالک ہے۔ آخر تحریک احمدیت اور دوسری تحریکوں میں اتنا تفاوت کیوں ہے؟ اگر مسلمان اس نکتہ پر دعیان دیں اور سرگذشت سے عبرت حاصل کریں تو یقیناً وہ ملتِ اسلامیہ کی نشأۃ ثانیہ کے لئے کسی صاحب وحی والہام وجود کی تلاش کریں گے۔ اور ان کو ایسے وجود کا پتہ تحریک احمدیت میں ملے گا۔

مفاسد اسلامیان اس جگہ اگر ہم مسلمانوں کے مفاسد اور قابل اصلاح حالات کا شمار شروع کریں تو ایک دفتر تیار ہو جائے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس وقت اسلام اور مسلمانوں میں اتنا بُعد و اختلاف پیدا ہو گیا ہے کہ بعض درید منہ ان قوم نے "قرآن" اور "روح اسلام" نامی کتابیں لکھیں اور جو مذہبی تحریکیں ہیں بعض تو تقلید و عدم تقلید کی بحثوں میں اُلجھی ہیں۔ بعض مداہنت و اعتراف شکست سے کام لے رہی ہیں۔ جیسے نیچری۔ اور بعض ایسی ہیں جو شیب و روز اسلام کو اشتراکیت کے سانچے میں ڈھال رہی ہیں۔ جیسے مودودیت بعض نماز پنجگانہ کے خلاف احتجاج کر رہی ہیں۔ اور بعض تعدد ازدواج کے خلاف بعض جواز سود خوری پر استدلال کر رہی ہیں۔ اور بعض اردو میں نماز پڑھنے پر۔ یہ ہے مذہبی تحریکوں کا حال۔ اور یہ ہیں سواد اعظم کے اجزاء۔ اس وقت ملت اسلامیہ انہیں بیمار عناصر کی ترکیب کا نام ہے۔ یہ خیالات و عقائد میں اتنے مختلف ہونے کے باوجود ہم پیالہ و ہم نوالہ ہیں۔ دینی و معاشرتی امور میں ملے جلے رہتے۔ اور خبیث و طیب کی کوئی تمیز نہیں۔

ظہور حَکم و عدل تحریک احمدیت نے مسلمانوں کی یہ ضرورت پوری کی۔ اور غیر صالح افراد کو صالح سے جدا کیا۔ اس نے اختلافی مسائل کا فیصلہ کرنے کے لئے ایک ایسے حَکم و عدل وجود کو پیش کیا۔ جو وحی ربانی سے فیضیاب اور لتحکم بین الناس اللہ کا مصداق ہے۔ یعنی نبی اللہ حضرت احمد علیہ الصلوٰۃ والسلام اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ مسلمانوں کی اصلاح اور اسلام کی نشأۃ ثانیہ کے لئے نئے سرے سے جدوجہد کا آغاز ہوا۔ اور ہر اختلافی مسئلہ پر خدا اور رسول کا منشاء معلوم ہوا۔ دوسرے علماء کی قیل و قال اور بحث و جدال سے جو اختلافات وسیع تر ہو رہے تھے۔ فوراً ختم ہو گئے اور نہایت صحت مند عناصر کی ترکیب سے ایک جماعت تیار ہو گئی۔

تعمیری جدوجہد اب اس جماعت نے اپنے مقصدِ وجود کی طرف حرکت کی اور تبلیغ اسلام کے لئے دنیا کے کناروں تک پھیل گئی۔ ساری اسلامی تحریکوں کے یہی دو مقاصد تھے اصلاح مسلمین اور تبلیغ اسلام۔ لیکن وہ نامراد رہیں۔ اور جماعت احمدیہ شادکام نکلی۔ آج جو شخص جماعت احمدیہ کے مافوق العادت حالات پر غور کرے گا۔ وہ یقیناً یہ کہے گا۔ کہ یہی وہ جماعت ہے جس کے سر پر خدا کا سایہ ہے۔ اور موجودہ زمانہ میں یہی وہ تحریک ہے جو خدا کی طرف سے امت مرحومہ کی نشأۃ ثانیہ کے لئے قائم کی گئی ہے۔ بعدا مبارک ہیں وہ جو کارکنان قضا و قدر کے اس فیصلہ کو سمجھتے ہیں اور مشیت الٰہی کے آگے سر جھکاتے ہیں۔

اقوالِ زریں

(مرتبہ چوہدری عبد القدیر صاحب واقف زندگی)

کلام اللہ سے کچھ

۱۔ کوئی اُمت ایسی نہیں گذری کہ جس میں ڈرانے والا نہ گذرا ہو۔

۲۔ جو اللہ تعالےٰ سے ڈرتا رہے گا اللہ اس کے کام آسان کر دے گا۔

۳۔ جو خدا تعالےٰ پر بھروسہ رکھے گا اللہ اس کے لئے کافی ہے۔

۴۔ اپنی نیکیوں کو جتلا کر اور دکھ دے کر ضائع نہ کیا کرو۔

۵۔ شرک سب سے بڑا ظلم ہے۔

اقوال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

۱۔ حق ہمسائیگی دائیں بائیں چالیس گھر دل تک ہے۔

۲۔ شرک کے بعد بدترین گناہ ایذا رسانی خلق ہے۔

۳۔ ایمان کے بعد افضل ترین نیکی خلق کو آرام دینا ہے۔

۴۔ غماز کی بات کسی مسلمان کے حق میں مت سُن۔

۵۔ مسلمان کی رنجش کا خاتمہ السلام علیکم ہے۔

۶۔ بدوں سے نیکی کرنا نیکوں کا کام ہے۔ اور نیکوں سے بدی کرنا بدوں کا۔

۷۔ کوئی مسلمان تیرے ہاتھ اور زبان سے ایذا نہ پائے۔

۸۔ غریبوں کے ساتھ دوستی رکھ اور امراء کی مجلس سے حذر۔

۹۔ جو نرمی سے محروم ہوا وہ نیکی سے محروم ہوا۔

۱۰۔ سخی اللہ سے جنت سے لوگوں سے قریب ہے اور آگ سے دور ہے اور بخیل اللہ سے جنت سے اور لوگوں سے دور ہے۔ اور دوزخ کے قریب۔

ارشادات حضرت مسیح موعود علیہ السلام

۱۔ جب تک ممکن ہو اور نتیجہ برا نہ ہو عفو سے کام لیا جائے۔

۲۔ بلا لحاظ مذہب و ملت کے تمام لوگوں سے ہمدردی کرو۔ بھوکوں کو کھلاؤ غلاموں کو آزاد کرو قرض داروں کو قرض دو اور زیر باروں کے بار اُٹھاؤ۔

۳۔ نہایت بدبخت ہے وہ انسان جو اپنے [illegible] کا عیب دیکھ کر اس کو ظاہر کرتا ہے۔ . . . . . . چاہیئے کہ پہلے اسے نصیحت کرے [illegible] اور چالیس دن تو اس کی اصلاح کے لئے خدا تعالےٰ سے دعا کرے۔

۴۔ ہر مذہب کے بزرگوں کو ادب سے یاد کیا کرو۔

۵۔ قرآن مجید کے آٹھ سو احکام پر عمل پیرا رہو۔

مواعیظ حضرت عیسیٰ علیہ السلام

۱۔ دنیا میں دو چیزیں پسندیدہ ہیں۔ سخن دل پذیر اور دل سخن پذیر۔

۲۔ انفعال گناہ غرور عبادت سے بدرجہا بہتر ہے۔

۳۔ جب تو خیرات کرے تو جو دایاں ہاتھ کرتا ہے اسے تیرا بایاں ہاتھ نہ جانے۔

۴۔ خاوند اور بیوی دو نہیں بلکہ ایک جسم ہیں۔ اس لئے جسے خدا نے جوڑا ہے۔ انسان اسے حتی المقدور جدا نہ کرے۔

۵۔ دنیاداروں کے مکانوں، مالوں اور باغوں کو دیکھنا حرص دنیا کی تحریک کرتا ہے اور تقویٰ سے بعید کرتا ہے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے مقولات

۱۔ سو درہم میں سے اڑھائی درہم دنیاداروں اور بخیلوں کی زکوٰۃ ہے صدیقوں کی زکوٰۃ تمام مال کا صدقہ کر دینا ہے۔

۲۔ صدقہ فقیر کے سامنے عاجزی سے باادب پیش کر کیونکہ خوشی دل سے صدقہ دینا قبولیت کا نشان ہے۔

۳۔ دولت آرزو سے اور جوانی خضاب سے حاصل نہیں ہوتی۔

۴۔ عبادت ایک پیشہ ہے۔ دکان اس کی خلوت ہے۔ راس المال تقویٰ اور نفع جنت۔

۵۔ طالب دین عمل میں زیادتی کرتا ہے۔ اور طالب دنیا علم میں۔

اقوال حضرت عمر رضی اللہ عنہ

۱۔ ایمان کے بعد بڑی نعمت نیک عورت ہے۔

۲۔ طمع کرنا مفلسی۔ بے غرض ہونا امیری اور بدلہ نہ چاہنا صبر ہے

۳۔ ہم حرام کے خوف سے نو حصے حلال بھی ترک کر دیتے ہیں۔

۴۔ ظالموں کو معاف کرنا مظلوموں پر ظلم ہے۔

۵۔ سخی حبیب خدا ہے اگرچہ فاسق ہو اور بخیل دشمن خدا ہے اگرچہ زاہد ہو۔

"احمدیت پھیل کر غالب ہو دینِ مصطفےٰ!"

(از محترم قاضی محمد ظہور الدین صاحب اکمل ربوہ)

سجدہ ہائے شوق کی میری جبیں ہے آرزو طلب
ہم کو کافی ہے تصور ان کی چشمِ مست کا
گیت وہ گائیں جو اکثر آسماں گاتا رہا
ہم کو کیا ملکوں سے اپنا ملک ہے رضوانِ یار

میرے محرم رازِ ہمدم آ کہ منزل طے کریں
کیا ضرورت ہے کہ ہم شغلِ سرود مے کریں
اسکی پیدا ہم نئی دھن اور نئی لے کریں
کیوں نہ بہرِ اسلام فکرِ رے و ذکرِ کے کریں

احمدیت پھیل کر غالب ہو دینِ مصطفےٰ!
اپنے نعرے ہم غلام احمد کی اکمل جے کریں

اسلامی تہذیب و تمدّن

از جناب شیخ محمد احمد صاحب پانی پتی - لاہور

تہذیب و تمدن کا مفہوم اصل موضوع پر قلم اُٹھانے سے پہلے ضروری ہے۔ کہ تہذیب و تمدن کا مفہوم متعین کر دیا جائے۔ تہذیب و تمدن کے متعلق فلسفیوں اور علماء نے بڑی بڑی موشگافیوں سے کام لیا ہے۔ اور ان کی بہت پیچیدہ تعریفیں کی ہیں۔ آسان زبان میں اگر ان تعریفوں کو بیان کیا جائے تو اس طرح ہونگی:-

تہذیب ان افکار اور ان خیالات کا نام ہے جو کسی قوم میں مذہب یا اخلاق کے اثر کے تحت پیدا ہوتے ہیں۔ اور ان افکار و خیالات کے نتیجہ میں انسانی اعمال جو شکل اختیار کرتے ہیں اسے تمدن کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔

تہذیب روحانی اور دماغی ترقی کا نتیجہ ہے۔ اور تمدن ... ترقی کا نتیجہ تہذیب مذہب اور فلسفہ کی قائم کی ہوئی بنیاد ہے۔ اور تمدن اس بنیاد پر کھڑی ہوئی عمارت۔ عمارت کھڑی کرنے والے لوگ بنیاد رکھنے والے کے خیالات سے کتنے ہی دور چلے جائیں۔ پھر بھی وہ اس بنیاد کو نہیں چھوڑ سکتے۔ یہی حال تہذیب و تمدن کا ہے۔ مذہب دنیا میں آکر لوگوں کے سامنے بعض مخصوص نظریات پیش کرتا ہے۔ اب خواہ اس مذہب کے پیرو بعد میں کتنے ہی کیوں نہ بگڑ جائیں۔ تاہم ان کے اعمال میں ان مخصوص نظریات کی جھلک ضرور دکھائی دے گی۔ جنہیں مذہب میں بنیادی حیثیت حاصل ہے۔

پانچ دنیوی تحریکیں

ابتدائے آفرینش سے لے کر اب تک دنیا تہذیب کے مختلف ادوار میں سے گزر چکی ہے اور ہر دور گوناگوں خصوصیات اپنے اندر رکھتا ہے۔ اب تک دنیا میں پانچ عظیم الشان دنیوی تحریکیں جلوہ گر ہو چکی ہیں۔ اور ہر تحریک نے آکر دنیا کو ایک پیغام دیا۔ ان میں سے ایک تحریک ہندوستان میں اٹھی جو آرین تحریک کہلاتی ہے۔ دوسری تحریک مغرب میں اٹھی وہ رومن تحریک کہلاتی ہے تیسری تحریک وسط ایشیا اور چین میں پیدا ہوئی اسے ایرانی تحریک کا نام دیا جاتا ہے۔ چوتھی تحریک مغربی ایشیا اور افریقہ میں پیدا ہوئی اسے بابلی تحریک کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ اور پانچویں تحریک جسے موجودہ زمانے میں عالمگیر حیثیت حاصل ہے۔ وہ مغربی تحریک کہلاتی ہے ان پانچوں تحریکوں کے پیچھے ایک نیا فلسفہ اور جدید تہذیب تھی۔ جس کے باعث یہ تحریکیں انقلاب پذیر قوت اپنے اندر رکھتی تھیں۔ یہی وجہ ہے کہ گو بعد میں ان تحریکوں کے علمبردار دنیا سے مٹ گئے۔ اور دوسرے لوگوں نے ان کی جگہ لے لی۔ لیکن انہوں نے جس فلسفہ اور تہذیب کے نشانات اپنے پیچھے چھوڑے تھے وہ ان مٹ ثابت ہوئے۔ حکومتیں بدل گئیں۔ لیکن اصول حکومت وہی رہے جو ان مشہور تحریکات کے علمبرداروں نے دنیا کو دیئے تھے۔ گویا تہذیب کا جھنڈا تو ایک ہی رہا۔ ہاں اتنی تبدیلی ضرور ہوئی۔ کہ وہ ایک قوم کے ہاتھ سے منتقل ہو کر دوسری قوم کے ہاتھ میں آگیا۔

متذکرہ تحریکات کا پیش کردہ فلسفہ

اسلامی تہذیب کے اصول بیان کرنے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ متذکرہ بالا تحریکات کے پیش کردہ فلسفہ کو بھی بالاختصار بیان کر دیا جائے۔ تا اسلام کے پیش کردہ فلسفہ اور تہذیب سے ان کا موازنہ کیا جا سکے۔

آرین تہذیب آرین تہذیب کی بنیاد نسلی امتیاز پر تھی۔ اسی نسلی امتیاز کے نتیجہ میں برہمن، کھشتری، ویش اور شودر کے طبقات پیدا ہوئے اور یہی فلسفہ تناسخ کا مسئلہ پیدا کرنے کا باعث بنا۔ تا ادنیٰ طبقہ کے لوگوں کو یہ کہہ کر مطمئن کیا جا سکے کہ اگر تم پچھلی جونوں کی بداعمالیوں کے نتیجہ میں شودر بن گئے ہو تو فکر کی بات نہیں۔ اگر تم موجودہ جون میں نیک اعمال بجالاؤ گے تو اگلی جون میں تمہاری حالت موجودہ حالت سے بہتر ہوگی

رومن تہذیب رومن تہذیب کی بنیاد قانون اور حقوق پر تھی۔ اس تہذیب کے علمبرداروں نے ایسے اصول وضع کئے جن سے کام لے کر ایک نظام کے تحت بنی نوع انسان پر حکومت کی جائے اور لوگوں کو ایک قانون کے تحت لا کر ان پر ملکی احکام کی تنفیذ کی جا سکے۔

ایرانی تہذیب ایرانی تہذیب کی بنیاد اخلاق، سیاست اور تعاون باہمی کے فلسفہ پر تھی اخلاق کو اہمیت دینے کے نتیجہ میں ان کی نیکی اور بدی کے الگ الگ خدا وں یعنی اہرمن اور یزداں کا تصور پیدا ہوا۔ وہ لوگ کہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ گناہ جیسی گندی شئے کا خالق نہیں ہو سکتا۔ لیکن چونکہ دنیا میں گناہ کا وجود پایا جاتا ہے اس لئے گناہ کا پیدا کرنیوالا کوئی اور خدا ہونا چاہیئے جو قابل پرستش نہیں بلکہ قابل نفرت ہو۔

تعاون باہمی کے فلسفہ کے نتیجہ میں کنفیڈریشن یعنی ایک ایسے نظام کی بنیاد پڑی جس کے تحت ایک سے زائد خود مختار حکومتیں باہمی تعاون کی اساس پر اپنے میں سے ایک طاقت کی بالادستی تسلیم کر لیتی ہیں۔

بابلی تہذیب بابلی تہذیب کی بنیاد علم ہندسہ، کیمسٹری اور ہئیت پر تھی۔ اس تہذیب کے علمبردار کہتے تھے کہ نظام شمسی کو اپنے لئے نمونہ قرار دے کر دنیا میں اسکی اتباع کرنی چاہیئے۔ یہی وجہ ہے کہ ان لوگوں کو تعمیر و تنظیم میں خاص دلچسپی تھی اور وہ لمبے لمبے اور مستحکم عمارتیں بنانے میں اپنا جواب نہ رکھتے تھے۔

مغربی تہذیب موجودہ مغربی تہذیب کی بنیاد مادیت کے فلسفہ پر ہے۔ اور یہ فلسفہ مشاہدہ اور تجربہ پر مبنی ہے۔ اسی فلسفہ کے باعث مغربی تہذیب نے وہاں کے لوگوں میں قومیت (Nationalism) کا شدید احساس پیدا کر دیا ہے۔

اسلام کی عالمگیریت

ان تمام تہذیبوں کی تاریخ پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا دائرہ عمل خاص خاص علاقوں اور مخصوص اقوام تک محدود تھا۔ ان میں وہ "عالمگیریت" نہیں پائی جاتی تھی جو انہیں زمان و مکان اور قومیت کی حدود سے نکال کر آفاقی بنا سکتی۔ یہ خصوصیت اگر کسی کے حصے میں آئی ہے تو صرف اسلام ہے۔

اسلام کا جوہری امتیاز – مسئلہ توحید

اسلام کا اصلی اور جوہری امتیاز اس کا مسئلہ توحید ہے۔ وحدانیت کا جو قطعی اور یقینی تصور اسلام نے پیش کیا ہے اور کسی مذہب یا فلسفہ نے پیش نہیں کیا۔ اور اسی تصور پر اس کی ثقافت اور تہذیب کی بنیاد ہے۔ اسلام سے پیشتر بھی اللہ تعالیٰ کے فرستادے اپنی اپنی قوم کو خدا کی وحدانیت کا سبق سکھاتے رہے۔ لیکن توحید کے واضح اور قطعی تصور کی عدم موجودگی کے باعث ان کے پیروؤں نے بعد میں خود انہیں خدائی کا درجہ دے دیا اور اس میں کوئی قباحت محسوس نہ کی اور آہستہ آہستہ ان قوموں سے توحید کا تصور ہی مفقود ہو گیا۔ اسلام کی یہ خوبی ہے کہ اس نے اپنے پیروؤں کے سامنے توحید کا ایسا واضح تصور پیش کر دیا۔ جس پر چودہ سو سال گذر جانے کے باوجود کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوئی اور دیگر مذاہب کے برعکس کسی ایک مسلمان نے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو (نعوذ باللہ) خدائی صفات سے متصف خیال نہیں کیا۔

اسلام کے اسی امتیاز کا ذکر کرتے ہوئے ایک مشہور مغربی مفکر ایڈورڈ ڈیبوپلیکی اپنی کتاب The History of European Morals میں لکھتا ہے کہ جس طرح یہ بات حیرت انگیز ہے کہ یونان میں بہت ہی قلیل عرصہ میں سینکڑوں مدبر، عالم، فلسفی اور سیاست دان پیدا ہو گئے۔ اسی طرح یہ امر بھی حیرت کن ہے کہ جس علاقے میں اسلام پہنچا وہاں سے توحید کا تصور مٹ نہ سکا۔

عالمی اخوّت و مساوات کا احساس

عقیدۂ توحید ہی کے نتیجہ میں مسلمانوں میں مساوات اور عالمی اخوت کا احساس پیدا ہوا۔ اور انہی اصولوں پر اسلامی تہذیب و تمدن کی عمارت استوار کی گئی۔ عقیدۂ توحید کا منطقی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ کل بنی نوع انسان ایک خدا کی مخلوق ہیں۔ اس لئے دنیا میں ہر ایک کو یکساں حقوق حاصل ہیں۔ اور کسی امیر کو غریب پر، عربی کو عجمی پر، آزاد کو غلام پر اور گوری نسل کے انسان کو حبشی پر کسی قسم کی ترجیح حاصل نہیں ہے مسلمانوں کو اسی امر کا احساس دلانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کے آغاز ہی میں فرمایا ہے

الحمد للہ رب العالمین

(سب تعریفیں اس اللہ کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے)

سورۂ فاتحہ کی یہ آیت جسے مسلمان اپنی پنجوقتہ نمازوں کے دوران دن میں بیسیوں مرتبہ تلاوت کرتے ہیں مسلمانوں کو ہر دم یہ احساس دلاتی رہتی ہے کہ جس طرح ان کا معبود تمام جہانوں کا پروردگار ہے اور اس کے فضل و کرم کا دائرہ کل بنی نوع انسان تک وسیع ہے۔ اسی طرح ان کی ہمدردی مروت اور احسان کا دائرہ صرف اپنے لوگوں تک محدود نہیں بلکہ تمام دنیا کے لوگوں پر محیط ہونا چاہیئے۔

اسلام کا وسیع دائرہ

اسلام رنگ و بو کا قائل نہیں جس طرح اس کی دعوت کا مخاطب روئے زمین کا ایک ایک فرد ہے۔ اسی طرح اس کی تہذیب بھی عالمگیر ہے۔ آج اسلام کے مقابلے میں دیگر مذاہب اور فلسفہ والے کچھ ہی کیوں نہ کہیں لیکن یہ حقیقت ہے کہ کسی بھی مذہب اور تہذیب نے اپنا دائرہ اپنی قوم کے علاوہ دیگر اقوام تک وسیع نہیں کیا۔ جس تہذیب کو بھی

(باقی ص۱۵ پر)

اسلامی فلسفہ

از قلم جناب ڈاکٹر سید نذیر احمد صاحب اورینوی پروفیسر پٹنہ کالج پٹنہ

فلسفہ سے کیا مراد ہے

فلسفہ کے معنی ہیں کسی مسئلہ، کسی بات کسی تجربہ کسی موضوع کی تہ تک پہنچنے کی کوشش اُن کی حقیقت کو اچھی طرح معلوم کرنے کی سعی اور اُن کے اسباب و نتائج کے متعلق واقفیت حاصل کرنے کی فکر۔ اشیائے عالم اور مظاہر حیات کے ہر پہلو کے بارے میں تفکر اور تدبر فلسفہ ہے۔

• ـــــ زندگی اور انجام زندگی، باعث حیات اور موت کے متعلق سوچنا اور سمجھنا فلسفہ ہے۔

• ـــــ فلسفہ عام سوچ بچار سے آگے جانے کا نام ہے۔

• ـــــ کائنات، حیات، مظاہر فطرت و حیات، ممات و مابعد الممات کی گہرائیوں میں ذہنی اور فکری طور پر ڈوب کر اُن کی حقیقت و حکمت جاننا فلسفہ ہے۔

• ـــــ فلسفہ ایک وسیع المعانی لفظ ہے اور اس کا دائرہ آفاقی ہے۔

• ـــــ ہر چیز کا فلسفہ ہو سکتا ہے اور بیشتر سے شعبہ ہائے علم کا فلسفہ ہوتا ہے۔

• ـــــ کہتے ہیں سیاست کا فلسفہ، زراعت کا فلسفہ، ادب اور آرٹ کا فلسفہ، کھیل کود کا فلسفہ، سائنس کا فلسفہ، عمرانیات کا فلسفہ، اخلاق کا فلسفہ، مذہب کا فلسفہ وغیرہ وغیرہ۔ فلسفہ درحقیقت مظاہر و مسائل، علوم و فنون میں داخلی و خارجی ہم آہنگی ڈھونڈھنے یا پیدا کرنے کا نام ہے اور ان کے لطیف نکات کو ظاہر کرنا بھی فلسفہ ہے۔

• ـــــ فلسفہ تقلیدی بھی ہوتا ہے اور تخلیقی بھی۔

ابھی عرض کی جا چکی ہے کہ یوں تو فلسفہ ہر شئے اور شعبہ پر حاوی ہے، لیکن حقائق کو سمجھنے اور سمجھانے کے طریقہ کار اور انداز فکر کے لحاظ سے فلسفہ سائنس، فنون لطیفہ اور مذہب سے جداگانہ حیثیت بھی رکھتا ہے۔

سائنس میں مشاہدہ، تجربہ اور تجزیہ پر زور دیا جاتا ہے۔ اشیاء کے خصائص، ان کے درمیان عمل و ردعمل اور مختلف عناصر کی حرکت و سکون کے متعلق اعداد و شمار کا مطالعہ کیا جاتا ہے۔ اور عملی رنگ میں تحقیق کی جاتی ہے۔

یونانی تہذیب کے دور میں سائنس کا آغاز بھی محض فکری اور نظریاتی رنگ میں ہوا۔ عرب مسلمانوں نے سائنس کو ایک علیحدہ باضابطہ اور عملی و تجرباتی حیثیت دی۔

فلسفہ کی بنیاد

فلسفہ کی بنیاد فکر و تدبر ہے جس کے بعد غور و فکر کے استقرائی طور پر نتائج نکالتے ہیں۔ اور اس طرح حقیقت کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں فلسفہ میں فکر اتنا بڑھ جاتا ہے کہ تجربات کی دنیا پیچھے چھوٹ جاتی ہے اور فلسفہ محض خیال آرائی ہو کر رہ جاتا ہے

آرٹ

آرٹ یعنی فنون لطیفہ میں حق اور حیات کو احساسی، جذبی اور تخیلی رنگ میں سمجھتے اور سمجھاتے ہیں۔ فلسفہ و سائنس میں اتنی معروضیت، اتنی تجزیہ کاری اور اتنا استقرائی انداز پیدا ہو جاتا ہے کہ حقیقت بے جان اور غیر متحرک نظر آنے لگتی ہے۔ آرٹ اور مذہب حقائق کو زندہ حالت میں پیش کرتے ہیں۔ لیکن یہ خطرہ ہوتا ہے کہ شاعر و فن کار اور جذباتی و روایتی مذہب رکھنے والے لوگ اپنی جذباتیت اور توہمات کی صورت میں تبدیل کر کے پیش کریں۔

مطالعۂ حقائق کا اصل طریق

آج دنیا جس مقام پر پہنچی ہے وہاں اہل علم کو یہ احساس ہو رہا ہے کہ حق اور مظاہر حق، کائنات اور حیات، فطرت اور تخلیق فن کی مکمل چہرہ نمائی اول تو ناممکن ہے۔ بیکرانی کو محدود رنگ میں پیش نہیں کیا جا سکتا۔ دوسری بات اب یہ سمجھ میں آئی ہے کہ جزوی رنگ میں مطالعۂ حقائق گمراہ کن ہے۔ فلسفی، سائنس دان، فن کار اور مذہبی آدمی اپنے اپنے زاویے سے مطالعۂ حقائق کرتے ہیں۔ اور اپنے آپ مختلف سے اپنا ردّ عمل پیش کرتے ہیں۔ حقیقت جادۂ ہزار رنگ ہے۔ لیکن تاہم وہ مربوط و ہم آہنگ ہے۔ لہذا علوم و فنون، انکشاف و القاء، فکر و وجدان، عقل و جذبہ کے ذریعہ جو تفسیریں اور تعبیریں پیش ہوتی رہتی ہیں اُنہیں ملا کر دیکھنا اور سمجھنا چاہیئے۔ یہی طریقہ سلامتی کا ہے۔ اور یہی ہدایت ہے۔ فلسفہ کو سائنس کو فلسفہ کی۔ آرٹ اور مذہب جب تک فلسفہ اور سائنس سے مدد نہ لیں۔ محض رسمی یا جذباتی یا مثالی ہو کر رہ جائیں گے۔ اور اگر فلسفہ و سائنس بیگانۂ فن اور ناآشنائے مذہب ہو جائیں تو ہلاکت ہے۔

مذہب اور سائنس

نہایت ہی پر لطف بات یہ ہے کہ اس دور میں اسلام کے سب سے بڑے ذہین اور صاحب تجربہ نابغہ حضرت مرزا غلام احمد علیہ السلام نے جو نکتہ آج سے پچاس سال پہلے بتایا اب آہستہ آہستہ چوٹی کے سائنس دان اور فلسفی اس طرف آ رہے ہیں۔

ـــــ مذہب خدا تعالے کا قول ہے۔ اور سائنس اس کا فعل۔ خدا تعالے کے قول و فعل میں تضاد ہی ناممکن ہے۔ اگر تضاد نظر آتا ہے۔ تو ہمارے فہم و بصیرت کا قصور ہے ۱۹۴۹ء میں ایک کتاب امریکہ سے شائع ہوئی ہے۔ اس کا نام "ہیومن ڈسٹینی" (تقدیر انسانی) ہے۔ مصنف لیکاسٹے ڈو نوا ہے ایک مشہور ماہر طبیعیات ہے۔ اُس نے بھی مذہب اور سائنس کی ہم آہنگی پر کچھ اسی طرز میں زور دیا ہے۔ اور اپنے رنگ میں اس بات کو اُس نے ثابت بھی کر دکھایا ہے۔

اسلامی فلسفہ

اس ضروری تمہید کے بعد اب میں اسلامی فلسفہ پر روشنی ڈالنی چاہتا ہوں۔ ظاہر ہے کہ اس مختصر مضمون میں موضوع کا حق ادا نہیں کیا جا سکتا میرے اس مضمون کی حیثیت محض تعارفی ہے اور میں اُمید کرتا ہوں کہ اس سلسلہ میں قرآن حکیم، حادیث، کتب حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور تصنیفات حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد خلیفۃ المسیح کا مطالعہ کیا جائے گا۔

اسلامی فلسفہ سے مراد

ہر عنوان سے مغالطہ پیدا ہو سکتا ہے۔ اور یہ عنوان "اسلامی فلسفہ" بھی مستثنیٰ نہیں۔ اسلام کی تعلیمات محض فلسفیانہ نہیں اور نہ اسلام فلسفہ کا کوئی دبستان ہے۔ اگر عنوان سے ذہن اس طرف آتا ہو تو احتیاط فرمائیں۔ اسلامی فلسفہ سے مراد یہ ہے کہ اسلامی اصول کی ایک فلاسفی ہے۔ اسلام اپنی تعلیمات کے سلسلہ میں دعوت فکر و نظر بھی دیتا ہے۔ اور احکامات کی لطیف و باریک حکمتیں بھی بتاتا ہے۔ اسلام حق و کائنات کا ایک کلی۔ مربوط و ہم آہنگ تصور پیش کرتا ہے۔ اور اس ماحول میں تلقین عمل کرتا اور نجات و فلاح کے لئے ہدایت دیتا ہے۔

قرآن حکیم میں سچا فلسفہ

قرآن حکیم کے مطالعہ سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اس کے استدلالی کا رنگ اگر فلسفیانہ ہے تو تحقیق کا انداز سائنٹیفک تلقین کا فن کارانہ اور تبلیغ کا عارفانہ۔ ان جہتوں سے ہم کہہ سکتے ہیں کہ قرآن حکیم کی ایک سائنس بھی ہے۔ اور اس کا ایک آرٹ بھی۔ اسی طرح اسلام کا ایک فلسفہ ہے اسلام میں مذہبی صوفیت بھی ہے معراج قرآن مجید ایک معجزۂ کامل ہے۔ وہ صرف ید بیضا نہیں، عصائے موسےٰ بھی ہے۔ اور ضرب کلیم بھی۔ وہ صرف نغمۂ داؤد نہیں۔ بلکہ جمعیت افلاطون اور شہادت سقراط بھی ہے۔ ایک طرف اس میں دبدبۂ سلیمان ہے تو مشاہدات و تجزیات آئینسٹائن بھی اس میں کرشن کی بانسری کی لے ہے اور اس کی گیتا کا فلسفیانہ و عارفانہ وعظ بھی۔ بات یہ ہے قرآن شریف انسان کامل پر نازل ہوا جس کے متعلق یہ سچ کہا گیا ہے کہ ؎

حُسنِ یوسف دمِ عیسیٰ ید بیضا داری
آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

میں اس "ہمہ" کو بنیادی اعتبار سے اور وسیع کرنا چاہتا ہوں حضور مقبول میں انبیاء کے محاسن بھی ہیں اور فلسفیوں حکیموں اور فن کاروں کی روح بھی جلوہ گر ہے۔ اور یہ جلوہ گری انوار قرآنی سے سردار انبیاء کو حاصل ہوئی۔ اللھم صلی علی محمدٍ!

عقلیت

میں اس مضمون میں صرف اسلامی فلسفہ کے متعلق معروضات پیش کروں گا۔ کہتے ہیں کہ فلسفہ کی بنیاد قوت عقل پر ہے عقلیت (Rationalism) پر ہند کے فلسفیوں اور یونان کے حکماء نے خاص زور دیا ہے۔ جدید مغربی فلسفیوں کے ایک بڑے گروہ نے بھی عقلیت ہی کو کائنات و حیات کے سمجھنے کا ذریعہ قرار دیا ہے۔ روسو فرانسیسی برگساں نے وجدان کی اہمیت کو سب سے بالا قرار دیا ہے۔ اور فرائیڈ نے تحت الشعور کو

حاکم مطلق کی حیثیت سے پیش کیا ہے۔ عقلیت کو ماہرین نفسیات محض ایک ڈھکوسلا قرار دیتے ہیں۔ غرض یہ کہ خود فلسفیوں میں متضاد خیالات ملتے ہیں اور حد تو یہ ہے کہ عصر حاضر میں فلسفہ کی بنیاد یعنی عقلیت کو ہی ایک فریب، تحت الشعور قرار دے دیا گیا ہے۔

پر حکمت اسلامی عقائد و تعلیمات

ان انتہا پسندانہ افکار سے قطع نظر کرتے ہوئے ہم عملی زندگی میں خورد و فکر کی اہمیت اور کارکردگی کا روزانہ تجربہ کرتے ہیں۔ علم و حکمت اور تہذیب و تمدن کی ترقی کا بڑا دارومدار عقل سلیم پر ہے۔ اسلام عقل کی اہمیت کو تسلیم کرتے ہوئے اسے اس کا صحیح مقام عطا کرتا ہے۔ اسلامی عقائد و تعلیمات محض توہمات، مثالی و خیالی روایات و مراسم نہیں بلکہ وہ سب کے سب عقل و خرد کے مطابق ہیں۔ قرآن حکیم نے انہیں دلائل کے ذریعہ ثابت کیا ہے۔ اور ان کی افادیت و حکمت بھی بتائی ہے۔ میں اصولی رنگ میں قرآن کے بنیادی تصور کو پیش کر دیتا ہوں۔ کہا جاتا ہے کہ مذہب کو ایمان سے واسطہ ہے۔ عقل کی گنجائش اس میں کہاں۔ تحریف شدہ یا ناکامل مذاہب میں عقلیت کی جگہ نہیں یا اس کی صرف ایک ہلکی سی جھلک ہوتی ہے۔ لیکن اسلام ایک کامل آخری اور اٹل، مستحکم و محفوظ دین ہے۔ اس میں عقل کی باتیں ہیں اور عقلیت (Rationalism [illegible]) کے متوازی۔ میلانات سے روگردانی ہرگز نہیں۔ قرآن حکیم نے عقل و ادراک کے تین پہلو پیش کئے ہیں۔ تعقل، تفکر، تدبر۔ یعنی عقل عامہ یا عقل سلیم کو کام میں لانا، خوب وسیع و بلند ہو کر سوچنا اور اچھی طرح ڈوب کر حقائق و مسائل کی تہ تک پہنچنے کی سعی کرنا۔

عقل و جذبات میں ہم آہنگی

قرآن حکیم جب بھی کوئی بات سمجھاتا ہے تو اسے اچھی طرح سمجھاتا بھی ہے۔ صرف تحکم کا انداز نہیں ہوتا۔ اسے قبول کرانے کے لئے بھی وہ محض جذبات خوف و محبت کو نہیں اکساتا۔ بلکہ دلائل کے ذریعہ پیام عقل و ہوش دے کر، دعوت فکر و تدبر کے ذریعہ اپنی تعلیمات و ہدایات پیش کرتا ہے۔ افلا تعقلون، افلا تتفکرون، افلا تتدبرون۔ گویا اس کا عام انداز تخاطب ہے۔ قرآن مجید تو ان لوگوں پر طنز کرتا ہے۔ جو محض وہ اپنی عقیدہ و ایمان رکھتے ہیں۔ اور عقائد و اعمال کو پرکھنے کے لئے عقل و خرد کی کسوٹی کا استعمال نہیں کرتے۔ لیکن اسلام ایک مذہب ہے۔ وہ پیغام عمل بھی دیتا ہے۔ لہٰذا خشک عقلیت پر وہ بس نہیں کرتا۔ وہ جذبات و وجدان کو بھی اپیل کرتا ہے تاکہ عمل میں زندگی اور جوش پیدا ہو۔ جذبات کے بغیر بے عملی پیدا ہو جاتی ہے۔ لہٰذا قرآن حکیم نے ہمیشہ جذبات صحیحہ کو بھی اکسایا ہے۔ ذوق و وجدان کو بھی متحرک کیا ہے۔ غرض یہ کہ اسلام میں عقل و جذبات کے درمیان ہم آہنگی پیدا کی گئی ہے

عقل کے ساتھ الہام کی روشنی

حقیقت اور اظہار حقیقت کے ارتقاء کو سمجھنے کے لئے صرف عقل کا آلہ ہرگز کافی نہیں۔ اسی لئے اسلام وجدان و عرفان سے بھی مدد لینے کی تلقین کرتا ہے۔ الہام کے بغیر حق و صداقت تک پہنچنا ناممکن ہے۔ عقل کی آنکھ رکھتے ہوئے بھی آدمی اندھیرے میں ٹامک ٹوئے مارے گا۔ اگر الہام کی روشنی اسے راستہ نہ دکھائے۔ حضرت مرزا محمود ایدہ اللہ فرماتے ہیں۔ ع

عقل اندھی ہے اگر نیّر الہام نہ ہو

دوسری طرف یہ بھی ہے کہ جیسے عقل و ہوش ہی نہ ہو۔ جس میں تعقل و تفکر و تدبر کا مادہ ہی نہ ہو۔ اس کے لئے آسمانی ہدایت بھی بے سود ثابت ہوتی ہے۔ قرآن کہتا ہے کہ ان لوگوں کے دلوں پر قفل لگا ہوا ہے۔ اور آنکھوں پر پردے پڑے ہوئے ہیں وہ گونگے۔ بہرے اور لا یعقل ہیں۔ مختصر یہ کہ جب تک دونوں طرف آگ برابر لگی ہوئی نہ ہو کام نہیں چلتا۔ نشرگاہ بھی باقاعدہ کام کرتی رہے اور ریڈیو سٹ بھی درست ہو۔ تو پیام بھی ملتے ہیں۔ اطلاعات و تعلیمات بھی حاصل ہوتی ہیں اور نغمات بھی سنائی دیتے ہیں۔

عرفان میں تین منزلیں

قرآن حکیم کی تعلیمات زندہ معجزہ ہیں۔ اس کے ذریعہ ہمیں علم کائنات اور عرفان حیات کی بنیادی تعلیمات ملتی ہیں۔ عرفان کی تین منزلوں کا پتہ قرآن مجید سے چلتا ہے۔ علم الیقین، عین الیقین اور حق الیقین۔ علم الیقین سماعی فکری یا تخیلی علم ہوتا ہے۔ عین الیقین مشاہداتی اور تجرباتی علم ہے اور جب علم ہر جہت سے کامل ہو جاتا ہے۔ تو حق الیقین کی منزل آتی ہے۔ حق الیقین کے درجات لامتناہی ہیں۔ ان نکات پر غور و فکر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ علم و عرفان کوئی جامد کیفیت نہیں بلکہ متحرک اور ارتقائی ہے۔ اور اس کی مختلف جہتیں اور ابعاد ہیں۔

قرآن حکیم خلق سماوات و ارض سے متعلق فکر کی دعوت بھی دیتا رہتا ہے۔ یہ فلسفیانہ تیور بھی ہے۔ اور حکیمانہ انداز بھی۔ اس سے سائنس کی تحقیقاتیں بھی وابستہ ہیں اور عارف کا ذوق محبت بھی۔

(۲)

قبل عرض کیا جا چکا ہے کہ کائنات و حیات کے مظاہر و آثار کے اسباب و علل کی تلاش، علت العلل سے بحث ان کے درمیان ربط و تعلق کی جستجو اور وجود عالم کی نیرنگیوں میں ہم آہنگی کی دریافت فلسفیانہ افکار ہیں۔ ہمارے مذاہب اس جہت سے فلسفیانہ میلان رکھتے ہیں۔ وہ انسان کو مقصد حیات پر غور کرنے کی دعوت بھی دیتے ہیں اور اعمال نیک و بد کی وضاحت کرتے ہوئے فلسفۂ اخلاقیات کے دروازے کھولتے ہیں۔ خالق کائنات کا تصور مابعد الطبیعات کی باتیں، یوم میزان، حشر و نشر کے خیالات وغیرہ وغیرہ اپنے اندر فلسفیت رکھتے ہیں۔

اسلام کا اونچا مقام

قابل ذکر امر یہ ہے کہ اپنی فلسفیانہ کیفیات کے اعتبار سے اسلام مذاہب عالم میں بہت اونچا مقام رکھتا ہے مذکورہ بالا باتوں سے متعلق جس گہرائی اور بلندی کے ساتھ قرآن حکیم نے اپنی تعلیمات پیش کی ہیں۔ وہ نہایت حکیمانہ مدلل، مربوط اور ہم آہنگ ہیں۔ قرآن حکیم منطق و فلسفہ کی رو سے تعلیمات دیتا ہے، غور و فکر کرنے کو کہتا ہے اور "عالمین" میں نظم و ہم آہنگی کی تلاش کی دعوت عام دیتا [illegible] اسلام حق و باطل میں تمیز کا فکری طریقہ بتاتا ہے۔ اسلام صرف مذہب نہیں۔ بلکہ فلسفۂ مذہب سے بحث کرتا ہے۔ مذہب کیوں ضروری ہے؟ سنت اللہ کیا ہے؟ کائنات اور سنت اللہ پر غور و فکر کر کے اللہ کو کیسے پہچانا جا سکتا ہے؟ اگر اللہ ہے تو صرف ایک کیوں ہے؟ اس کی صفات کیا ہیں اور کیوں ہیں؟ صفات کا اظہار کیسے ہوتا ہے؟ ان میں تضاد تو نہیں؟ اللہ اور اس کی مخلوقات کے درمیان کیا تعلق ہے؟ کیا اللہ ازلی و ابدی ہے؟ مادہ اور روح بھی اس کی مخلوقات ہیں۔ اور فانی ہیں یا نہیں؟ اللہ نے عالم اور انسان کو کیوں پیدا کیا؟ مقصد حیات کیا ہے؟ فلسفۂ عمل اور فلسفۂ تقدیر کیا ہے۔ مکافات عمل، حشر اجساد اور جزا و سزا کی حکمت کیا ہے؟ عبادات کیا ہیں؟ حقوق و فرائض کی نوعیت اور غرض کیا ہے؟ قرآن حکیم ایک مکمل نظام تعلیم اور اسی کے متوازی ایک مکمل نظام فکر و عمل پیش کرتا ہے۔ اسلامی نظام کے ہر جزو میں مکمل اور مربوط ہم آہنگی ہے۔ اول تو دوسرے مذاہب پورا نظام حیات پیش بھی نہیں کرتے اور جس حد تک پیش کرتے ہیں۔ ان کے اجزاء کے درمیان بے ربطی اور تضاد پیدا ہونے کو روک نہیں سکتے۔ مذاہب کے علاوہ خود مختلف دبستان فلسفہ کا بھی یہی حال ہے۔ ان میں تکمیل نہیں۔ اور اکثر متضاد تصورات و افکار پیش کرتے ہیں۔

قرآن کریم کا فلسفہ کائنات و حیات

قرآن حکیم کی تعلیمات کی خوبی سے ابھی بحث نہیں۔ میں اس کتاب عظیم کے انداز نظر، طریقۂ افہام و تفہیم اور طرز استدلال کے فلسفیانہ ڈھنگ کے متعلق اپنی محدود بصیرت کے مطابق نکات بیان کر رہا ہوں۔

عرض کر چکا ہوں کہ قرآن کا فلسفۂ کائنات و حیات نہایت ہی مربوط، کامل اور ہم آہنگ ہے۔ تفصیل کا موقعہ نہیں۔ اس موضوع پر جلدیں لکھی جا سکتی ہیں۔ مختصر یہ ہے کہ اسلامی فلسفۂ کائنات و حیات بہت بڑی ذہنی تسلی کا موجب ہے۔ اور اس کی دو وجہیں ہیں۔ اول یہ کہ یہ فلسفہ ہر جہتی کامل اور ہم آہنگ ہے۔ اور دوسری وجہ یہ ہے کہ اس کی پیشکش مدلل اور حکیمانہ انداز میں ہوتی ہے۔ ایک مثال لیجئے۔

قرآن حکیم اس مسئلہ کو نہایت خوبصورت اور تسلی بخش طور پر ہمارے ذہنوں کے سامنے لایا ہے کہ ہمارا رب کون ہو سکتا ہے اور یہ کہ بہر حال ہماری روحوں کے اندر اپنے رب کی بے تابانہ جستجو موجود ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کائنات پر غور کرتے ہیں۔ ستاروں، چاند اور سورج کے عروج و زوال کے بارے میں سنجیدگی سے فکر کرتے ہیں۔ اور یہ منطقی نتیجہ نکالتے ہیں کہ زوال پذیر وجود ہماری ربوبیت کا فرض انجام نہیں دے سکتے۔ یہ سب ظل و آثار تو ہو سکتے ہیں عین رب نہیں ہو سکتے۔ ایسی فکر انگیز مثالیں قرآن حکیم میں بہ کثرت مل سکتی ہیں۔

اکثر ایسا ہوتا ہے کہ قرآن مجید ایک دعویٰ کرتا ہے۔ اور بغیر تدریجاً اس کے ایسے دلائل دیتا چلا جاتا ہے۔ جو ذہن کو روشن کرتے اور دل کو تسلی دیتے ہیں مثلاً

سورۂ فاتحہ میں یہ دعویٰ کیا گیا ہے کہ ساری خوبیاں [illegible] ہیں الحمد للہ (باقی صفحہ [illegible] پر)

مذاہب کے اختلافات اور اُن کے ازالہ کے طریق

از مکرم مولوی شریف احمد صاحب فاضل امینی مبلغ انچارج مدراس

مسلّمہ حقیقت

یہ ایک مسلّمہ حقیقت ہے کہ بنی نوع انسان کی روحانی اور اخلاقی ترقی کے لئے مذہب ایک ضروری چیز ہے۔ کیونکہ انسان بغیر کسی الہامی شریعت کی امداد و رہنمائی کے با مقصد اور با مراد زندگی نہیں بسر کر سکتا۔ چونکہ مذہب انسانی دل پر حکومت کرتا ہے اور بتاتا ہے۔ کہ خدا تعالیٰ نے یہ بات انسان کے فائدہ کے لئے رکھی ہے۔ اسی وجہ سے لوگ مذہبی قوانین کی نہایت شوق اور خلوص کے جذبہ سے پابندی کرتے ہیں۔ اور یہی اخلاص اور جذبہ انسان کے ظاہری اور باطنی امن کا موجب بنتا ہے۔ انسان کو بدی اور گناہ سے روک کر نیکی اور تقوےٰ کی طرف مائل رکھتا ہے پس یہ بھی ایک حقیقت ہے۔ کہ اگر دنیا میں مذہب نہ ہوتا۔ تو آج نیکی مفقود ہوتی۔

تصویر کا دوسرا رُخ

اس حقیقت کے باوجود کہ مذہب داخلی و خارجی امن کا باعث ہوتا ہے ہمیں دنیا میں یہ بھی نظر آرہا ہے۔ کہ مختلف مذاہب کے پیروکار ایک دوسرے کا سر پھوڑنے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں۔ بلکہ بعض اوقات ایک ہی مذہب کے آدمی آپس میں لڑتے جھگڑتے اور ایک دوسرے پر گند اور کیچڑ اچھالتے رہتے ہیں۔ اور اُن کا یہ طرزِ عمل "نقضِ امن" کا موجب ہوتا ہے۔ اور بسا اوقات بعض نہایت معمولی اور حقیر وجوہات کی بنا پر ایک دوسرے کو قتل کرنے سے بھی دریغ نہیں کیا جاتا۔ حالانکہ ناپسندیدہ حرکات مذہب کے لئے باعث عزت نہیں ہوسکتیں۔ خواہ وہ کسی مذہب کے نام پر کی جائیں۔ بس کا نتیجہ سوائے مذہب کو بدنام کرنے اور خدا تعالیٰ کا غضب بھڑکانے کے اور کچھ نہیں ہوتا۔ ممکن ہے۔ کہ مذہب کے نام پر انسانی خون بہانے والے شاید یہ خیال کرتے ہوں۔ کہ وہ ایسا کر کے مذہب کی خدمت کر رہے ہیں۔ حالانکہ وہ اُسے نقصان پہنچا رہے ہوتے ہیں۔ اور اپنے مذہب کے خلاف لوگوں کے دل میں نفرت و حقارت کا بیج بو کر اُن کو متنفر کر رہے ہوتے ہیں۔

مذاہب میں اختلاف

خدا تعالیٰ "ربّ العالمین" ہے۔ اُس کی ربوبیت یہ تقاضا کرتی تھی۔ کہ جہاں اُس نے ہر خطّے کے رہنے والے انسانوں کی جسمانی نشوونما اور پرورش کا ایسا انتظام کیا ہے۔ جو اُن کی جسمانی حیات و زندگی کا باعث ہے۔ وہاں وہ اُن کی روحانی حیات اور دلوں کی غذا و ربوبیت کا بھی شروع دنیا سے ہی انتظام فرمائے۔ چنانچہ قرآن مجید سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ خدا تعالیٰ نے اس تقاضائے فطرت کو ابتدائے آفرینش سے پورا کیا۔ اور ہر قوم۔ ہر علاقے اور ملک میں اُس نے نبی۔ رسول اور مامور لوگوں کی اخلاقی و روحانی رہنمائی کے لئے مبعوث فرمائے۔ اور ہر زمانہ اور علاقہ کے مناسب حال اور وقتی تقاضوں اور ضرورتوں کو پورا کرنے والی تعلیم نازل فرمائی۔ مگر جوں جوں نسلِ انسانی ترقی کرتی چلی گئی۔ اُن کی دماغی قابلیتیں اور صلاحیتیں بھی بڑھتی رہیں۔ مقامی حالات اور وقتی ضرورتیں بھی بدلتی رہیں۔ تو اُن کے ساتھ ساتھ خدا تعالیٰ کی طرف سے موقعہ و محل کے مناسب حال اور موزوں ہدایت نامہ بھی نازل ہوتا رہا۔ مگر بعض لوگ رفتار زمانہ کے ساتھ خود بدلنے کو تیار نہ ہوئے۔ اور کسی نئے پیغامِ الٰہی کی آمد پر اُس کو محض اسلئے ٹھکرا دیا۔ کہ وہ کسی سابقہ پیغام سے ندرے مختلف ہے۔ نیز یہ پیغام لانے والا اُس کی قوم یا اُس کے علاقہ و ملک سے تعلق نہیں رکھتا پیغام اگرچہ وقتی تقاضوں کو پورا کرنے والا ہے۔ مگر تاہم وہ اپنے پرانے عقائد اور ضابطہ پر ہی قائم رہیں گے اگر ہو سکا۔ تو وہ کوشش کریں گے کہ اس نئے پیغام لانے والے اور اُس پر لبیک کہنے والوں پر عرصۂ حیات تنگ کر دیں گے۔ حتیٰ کہ انہیں صفحۂ ہستی سے نابود کرنے کے لئے بھی کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کریں گے۔ اور وہ اپنے اس ذلیل مقصد کو حاصل کرنے کے لئے دغا۔ فریب۔ جھوٹ۔ اشتعال انگیزی۔ سازش اور جھوٹا پراپیگنڈا وغیرہ کے ہتھکنڈوں کو استعمال کریں گے

پس یہاں سے مذاہب کا اختلاف شروع ہوتا ہے۔ جو در اصل مذاہب کا اختلاف نہیں بلکہ اُن کے متعصب اور ناعاقبت اندیشوں کا باہمی اختلاف ہے۔ جو مذہب کی روح کے سراسر منافی ہے۔ کیونکہ ہر مذہب کی بنیاد خدا کی محبت اور داخلی و خارجی امن پر ہے۔ اور کوئی مذہب کشت و خون اور تعصب و دشمنی کی تعلیم نہیں دیتا۔

اختلاف کے اسباب

اگر جملہ مذاہب پر غور و فکر کریں۔ اور تدبر و تفکر سے کام لیں تو مختلف مذاہب میں پائے جانے والے اختلافات کی مندرجہ ذیل وجوہ نظر آتی ہیں۔

۱۔ ایک مذہب کا پیروکار دوسرے مذاہب کی تعلیمات کا سنجیدگی سے مطالعہ نہیں کرتا۔ بلکہ بسا اوقات شنیدہ باتوں پر ہی اعتماد کرتا ہوا غلط فہمی کا شکار رہتا ہے۔ اور اپنے دل میں دوسرے مذاہب کے ماننے والوں کے لئے کینہ پیدا کر لیتا ہے۔

۲۔ بعض مذاہب کے لوگ صرف اپنے آپ کو ہی "ہدایت و صداقت" کے واحد اجارہ دار سمجھ لیتے ہیں اور وہ خوش فہمی سے یہ سمجھ لیتے ہیں۔ کہ سب خوبیاں ہمارے مذہب میں ہی ہیں۔ دوسروں کے اندر کوئی نہیں۔ حالانکہ مذاہب کے بغیر بعض بنیادی اصولوں میں باہمی اشتراک بھی نظر آئے گا۔ لیکن تاہم وہ دوسرے کی خوبی کا اعتراف کرنے کو تیار نہیں ہوتے۔ یہ اجارہ داری کا جذبہ بھی باہمی منافرت کا باعث بنتا ہے۔ صرف اپنی ہی خوبی و جمال پر نگاہ رکھنا اور دوسرے کے حسن و جمال سے آنکھ بند کر لینا کوئی کمال نہیں۔ کمال تو یہ ہے بقولِ شاعر؎

حسن اپنا ہی نظر آیا تو کیا آیا نظر
غیر کا حسن جو دیکھے وہ نظر پیدا کر

۳۔ بعض لوگ شدید بغض و تعصب کی وجہ سے ایک قدم اور آگے چلے جاتے ہیں۔ کہ وہ دوسرے مذاہب کی خوبیوں کے اعتراف کے لئے ہی تیار نہیں۔ بلکہ اُن سے قطع نظر کرتے ہوئے اُنکے عیوب تلاش کرتے ہیں۔ اُن کے مذہبی اصولوں پر بے جا نکتہ چینی کرتے ہیں۔ اُن کے پیشواؤں کی ہتک و توہین کر کے دلآزاری کر کے باہمی امن کی فضا کو مکدر کر دیتے ہیں۔ اُن کی طرف من گھڑت اور بے بنیاد باتوں کو از خود منسوب کر کے عوام میں نہ صرف غلط فہمی پیدا کرتے بلکہ ناسمجھ اور ناعاقبت اندیش، لوگوں کو مشتعل کر کے کشت و خون پر آمادہ کرتے اور خرمنِ امن کو برباد کر دیتے ہیں۔

ہندوستان اور مذہبی اختلافات

ہندوستان مذاہب کی منڈی ہے۔ قریباً ہر مذہب کے پیروکار اس ملک میں پائے جاتے ہیں۔ مذاہب کے باہمی اختلافات کی ایک جھلک بھی اس ملک کی تاریخ میں نظر آسکے گی۔ اگر ان مناقشات کے پس منظر کو دیکھا جائے۔ تو وہی تین اسباب ہوں گے جن کا اوپر بیان کیا جا چکا ہے۔ اور یہی اسباب فرقہ وارانہ کشیدگی۔ ملکی اور قوم کے جھگڑوں کے پیچھے کار فرما نظر آتے ہیں۔ آج ملک و قوم کا ہر بہی خواہ یہ دلی منشا رکھتا ہے۔ کہ ملک میں امن و امان رہے اور اس میں بسنے والی مختلف اقوام میں باہمی اتحاد و محبت ہو۔ لیکن افسوس ہے کہ سوائے

نہایت ہی پیارا اور دلکش اصول!

ملفوظات حضرت مسیح موعود علیہ السلام بانی سلسلہ احمدیہ

ایک دفعہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے دوسرے ملکوں کے انبیاء کی نسبت سوال کیا گیا تو آپ نے یہی فرمایا کہ ہر ایک ملک میں خدا تعالیٰ کے نبی گذرے ہیں اور فرمایا کہ کان فی الھند نبیًّا اسود اللون اسمہٗ کاھنا یعنی ہند میں ایک نبی گذرا ہے جو سیاہ رنگ تھا اور نام اُس کا کاہن تھا یعنی کنھیا جی کو کرشن کہتے ہیں۔ اور آپ سے پوچھا گیا کہ کیا زبان پارسی میں بھی کبھی خدا نے کلام کیا ہے۔ تو فرمایا ہاں خدا کا کلام زبان پارسی میں بھی اُترا ہے۔ جیسا کہ وہ اس زبان میں فرماتا ہے ایں مشت خاک را گر نہ بخشم چہ کنم اور خدا نے قرآن شریف میں بھی فرمایا منھم من قصصنا علیک منھم من لم نقصص علیک یعنی جس قدر دنیا میں نبی گذرے ہیں بعض کا اُن میں سے ہم نے قرآن شریف میں ذکر کیا ہے اور بعض کا ذکر نہیں کیا۔ اس قول کا مطلب یہ ہے تا مسلمان حسن ظنی سے کام لیں اور دنیا کے ہر ایک حصہ کے نبی کو جو گذر چکے ہیں عزت اور تعظیم سے دیکھیں اور بار بار قرآن شریف میں بھی ذکر کیا گیا ہے اس سے مقصود مسلمانوں کو یہ سبق دینا ہے۔ کہ وہ دنیا کے کسی حصہ کے ایسے نبی کی کسرشان نہ کریں جو ایک کثیر قوم نے اس کو قبول کیا تھا۔ یہ اصول نہایت ہی پیارا اور دلکش اصول ہے۔ اور مسلمان اس کے ساتھ جس قدر فخر کریں وہ بجا ہے۔

(چشمۂ معرفت ملحقہ مضمون ص۱۱)

امن "امن" اور "اتحاد اتحاد" کے نعرے لگا کر پُر جوش تقاریر کرنے اور بیانات دینے کے اور کچھ نہیں کیا جاتا۔ نہ فتنہ و فساد کی بیماری کی صحیح تشخیص کی جاتی ہے اور نہ ہی اُس کا مؤثر علاج کیا جاتا ہے کاش ہمارے محبان وطن اب بھی غفلت سے بیدار ہوں اور اتحاد و امن کی حقیقی تجاویز پر عمل کریں۔ جو موجودہ زمانہ کے روحانی طبیب اور مصلح ربانی نے . . . . . اہل ملک کے لئے پیش کی ہیں۔

مذہبی آزادی کا اصل الاصول

جبکہ یہ ایک مسلّمہ حقیقت ہے کہ مذہب کی حکومت دل پر ہوتی ہے۔ تو پھر کسی کے دل پر جبر نہیں کیا جا سکتا۔ ہر مذہبی شخص کو یہ تو حق حاصل ہے۔ کہ وہ اپنے مذہب کی دوسرے کو تبلیغ کرے۔ اور اپنے مذہب کی خوبیوں کو دوسرے کے سامنے بیان کرے۔ اُس کی تائید میں دلائل و براہین پیش کرے۔ مگر اُس کو یہ حق حاصل نہیں۔ کہ دوسرے کو اپنے نظریہ اور عقیدہ سے متفق کرنے یا منوانے کے لئے جبر و تشدد سے کام لے۔ یہ وہ سنہری اصول ہے۔ جس کو قرآن مجید نے "لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّينِ" (کہ دین و مذہب میں کسی قسم کا جبر و اکراہ نہیں) کے پیارے الفاظ میں بیان کیا ہے۔ یہ حکم مذہبی آزادی اور باہمی رواداری کا بنیادی اصل ہے۔ جس پر عمل پیرا ہو کر ہر شخص کو مذہبی آزادی بھی حاصل رہے گی اور عقل و فکر اور دل و دماغ پر کوئی جبر بھی نہ ہوگا۔ اور نہ ہی باہمی منافرت اور مناقشہ کی کوئی صورت پیدا ہوگی۔

اس زمانہ کا طبیب روحانی

اس زمانہ میں اللہ تعالیٰ نے مخلوق پر رحم کھاتے ہوئے اُن کی روحانی و اخلاقی اصلاح کے لئے ایک مامور بھیجا۔ جس نے ایک طرف جملہ مذاہب کی تعلیمات و اصولوں کا جائزہ لیا۔ تو دوسری طرف مذاہب کے ماننے والوں کے باہمی اختلافات کا گہرے طور پر مطالعہ کیا۔ اور باہمی بے اطمینانی عدم رواداری اور مذہبی مناقشات کے مرض کی صحیح تشخیص کی۔ اور اس خطرناک مرض (جو معاشرہ کو گھن کی طرح کھا رہا تھا) کے ازالہ کے لئے مختلف اسباب۔ علاج بیان فرمائے۔ یہ طبیب روحانی حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی علیہ السلام ہیں۔ جنہوں نے خدائی ہدایت کی روشنی میں اہل دنیا کے سامنے ان مذہبی اختلافات کے ازالہ کے لئے مندرجہ ذیل تجاویز پیش فرمائیں۔

مذہبی اختلافات کے ازالہ کے طریق

اول۔ مذہبی مباحثات و مناظرات میں اس بات کی پابندی کی جائے کہ کوئی شخص کسی دوسرے مذہب پر اعتراض یا نکتہ چینی نہ کرے۔ بلکہ بحث کو اپنے مذہب کی خوبیوں اور عمدہ تعلیم کے بیان تک ہی محدود رکھے۔ اس طریق کے اختیار کرنے سے مذہبی فوقیت بھی ثابت ہو جائے گی اور کسی قسم کا جھگڑا اور فساد بھی پیدا نہ ہوگا۔

دوم۔ اگر اس پابندی اور عمدہ طریق کار پر پورے طور پر عمل نہ کیا جا سکے۔ تو کم از کم دوسرے مذاہب پر کوئی ایسا اعتراض نہ کیا جائے۔ جو خود اعتراض کرنے والے کے اپنے مذہب پر پڑتا ہے۔ اگر اس پابندی کو بھی مناظرات میں اختیار کر لیا جائے۔ تو نکتہ چینی اور اعتراضات کا میدان بہت حد تک محدود ہو سکتا ہے اور فتنہ و فساد کے مواقع کم سے کم ہو سکتے ہیں۔

سوم۔ اس ضمن میں تیسری تجویز حضرت بانی سلسلہ احمدیہ علیہ السلام نے یہ پیش فرمائی۔ کہ اگر مذکورہ بالا تجاویز پر عمل نہ کیا جا سکے۔ تو کم از کم یہ طریق اختیار کر لیا جائے کہ ہر مذہب کی طرف سے مستند اور مسلّمہ کتب کی فہرست شائع کر دی جائے۔ اور اعلان کر دیا جائے کہ ان کتب کے علاوہ کوئی اور کتاب یا تحریر اُن کے مسلمات میں سے نہیں ہے۔ ایسے اعلان کے بعد اگر کسی شخص نے اس مذہب کے خلاف کوئی اعتراض پیش کرنا ہو تو وہ ان مسلّمہ کتب کے حوالہ سے پیش کرے اور اُن سے باہر نہ جائے۔ ورنہ بلا وجہ ایسی باتوں کے متعلق اعتراض اٹھانے سے جو اس مذہب کے ماننے والوں کے مسلمات میں سے نہیں۔ سوائے اختلاف اور فساد کے بڑھانے کے اور کچھ حاصل نہیں ہو سکتا۔

چہارم۔ چوتھی اہم تجویز آپ نے یہ پیش فرمائی۔ کہ ہر اہل مذہب کو چاہیئے۔ کہ دوسرے مذہب کے پیشواؤں کی عزت و تکریم کرے اور اُن کے خلاف کوئی نازیبا کلمہ اپنی زبان یا قلم پر نہ لائے۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں۔ کہ:-

(الف) "یہ اصول نہایت پیارا اور امن بخش اور صلح کاری کی بنیاد ڈالنے اور اخلاقی حالتوں کو مدد دینے والا ہے کہ ہم اُن تمام نبیوں کو سچا سمجھیں جو دنیا میں آئے۔ خواہ وہ ہند میں ظاہر ہوئے یا فارس میں یا چین میں یا کسی اور ملک میں۔ خدا نے کروڑہا دلوں میں اُن کی عظمت بٹھا دی۔ اور اُن کے مذہب کی جڑ قائم کر دی۔ اور کئی صدیوں تک وہ مذہب چلا آیا۔ یہی اصول ہے جو قرآن نے ہمیں سکھایا۔ اس اصول کے لحاظ سے ہم ہر ایک مذہب کے پیشوا کو جن کی سوانح اس تعریف کے نیچے آ گئی ہیں۔ عزت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ گو وہ ہندوؤں کے مذہب کے پیشوا ہوں یا فارسیوں کے مذہب کے یا چینیوں کے مذہب کے یا یہودیوں کے مذہب کے یا عیسائیوں کے مذہب کے۔"

(تحفہ قیصریہ مطبوعہ ۱۸۹۷ء)

(ب) "خدا تعالیٰ نے مجھے اطلاع دی ہے کہ دنیا میں جس قدر نبیوں کی معرفت مذہب پھیل گئے ہیں اور استحکام پکڑ گئے ہیں۔ اور ایک حصہ دنیا میں محیط ہو گئے ہیں۔ اور ایک عمر پا گئے ہیں۔ اور ایک زمانہ اُن پر گزر گیا ہے اُن میں سے کوئی مذہب بھی اپنی اصلیت کی رو سے جھوٹا نہیں اور نہ اُن نبیوں میں سے کوئی نبی جھوٹا ہے۔"

(تحفہ قیصریہ صفحہ ۲)

پس جملہ مذاہب کے ماننے والوں میں جذبہ رواداری پیدا کرنے اور دنیا میں امن و امان کی فضا پیدا کرنے کے لئے ضروری ہے۔ کہ ہم اس زمانے کے مامور ربانی کی آواز پر کان دھریں اور اُس کے بیان فرمودہ اصولوں کو اپنائیں۔ کیونکہ اسی میں ہمارے باہمی اختلافات کا خاتمہ مضمر ہے۔ اگر ہم زندہ خدا اور اُس کی زندہ صفات پر یقین رکھنے والے ہوں۔ تو ہمارے دلوں میں نور ایمان کی وجہ سے وسعت پیدا ہوگی۔ کہ خدا کی طرف سے آنے والی رشد و ہدایت کسی ایک زمانہ یا قوم یا علاقہ سے مختص نہیں اُس کی رحمت و ربوبیت کے کرشمے ہر زمانہ میں ظاہر ہوئے۔ اور آج بھی اُس کی رحمت و ہدایت کا دروازہ بند نہیں۔ پس چاہیئے کہ کورانہ تقلید اور بے جا تعصب کو چھوڑ کر اہل مذاہب اپنے اندر وسعت نظر فراخ حوصلگی۔ قوت برداشت۔ جذبہ رواداری پیدا کریں۔ "حق و صداقت" کی آواز کو خواہ وہ کہیں سے بلند ہو۔ کسی کی طرف سے بلند ہو۔ اس پر لبیک کہتے۔ قبول کرنے اور پھر اس کے پھیلانے کے لئے تیار رہیں۔ جب یہ جذبہ اور ولولہ سب اہل مذاہب میں پیدا ہو گیا تو سمجھئے اُسی وقت موجودہ باہمی مذہبی اختلافات کا خاتمہ ہو گا۔ انشاء اللہ العزیز۔

اسلامی فلسفہ

بقیہ صفحہ نمبر ۱۲

اس کے بعد دلائل کی زرین زنجیر شروع ہوتی ہے۔ سب سے پہلی دلیل عالمین کی ربوبیت کی دلیل ہے اور دوسری دلیلیں بعد میں آتی ہیں۔ اسی طرح دوسری سورہ میں یہ دعوے کیا گیا ہے کہ قرآن مجید ہی وہ کتاب کامل ہے۔ جس کی نسل آدم کو تمنا تھی۔ یہی نظام کامل پیش کرتی ہے۔ اس امر حق میں کوئی شک نہیں۔ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ اس کے بعد دلائل کا مربوط سلسلہ اختتام قرآن تک پیش کیا جاتا ہے۔

پہلی دلیل یہ ہے کہ درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے۔ فرمایا ہے۔ جو لوگ اپنے انجام کی فکر کر کے صحیح طریقۂ عمل کی جستجو کرنے والے ہیں۔ وہ اگر اس کتاب سے رابطہ پیدا کریں گے اور اس کی تعلیمات پر عمل کریں گے۔ تو اپنا مقصود پا لیں گے۔ زندگی اور مابعد زندگی کے ہر منزل اور مرحلے کے لئے اس میں ہدایت کامل موجود ہے۔ اسلام کی بتائی ہوئی راہ پر چلنے سے ہر انسان منزل مقصود پہنچ سکتا ہے۔ اور اگر اس کی تعلیم سے آدمی آدمی انسان، با اخلاق انسان۔ اور باخدا رسیدہ انسان بن جائے۔ تو پھر اس امر میں کیا شک رہ جاتا ہے۔ کہ یہی وہ کتاب منتظر ہے۔ اور یہی کامل دستور انسانی ہے۔

میں چاہتا تھا کہ مختصراً اسلامی فلسفۂ عالم و آدم کا بیان کروں۔ لیکن وقت کی تنگ دامانی کے سبب ایسا نہیں ہو سکا۔ انشاء اللہ آئندہ۔

درخواست دعا۔ میری اہلیہ اور بچی کافی دنوں سے بیمار ہیں جس کی وجہ سے خاکسار بہت پریشان ہے بزرگان سلسلہ سے دردمندانہ دعا کی درخواست ہے۔ خاکسار مرزا ظہیر الدین منور احمد درویش قادیان

موجودہ زمانہ کے غیر معمولی حالات و انقلابات سے متعلق

قرآن کریم کی بعض عظیم الشان پیشگوئیاں

(از مکرم مولوی محمد ابراہیم صاحب فاضل قادیانی)

قرآن کریم کو جس پہلو سے بھی دیکھا جائے اسکی شان بالکل نرالی معلوم دیتی ہے۔ وہ اپنے اندر صداقت کے ثبوت کے لئے اس قدر غیر معمولی سامان رکھتا ہے کہ وہ ہر زمانہ میں دریا کی طرح موجیں مارتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ ان امور میں سے جو اسکی سچائی کا زبردست ثبوت ہیں ایک امور غیبیہ بھی ہیں۔ جن سے قرآن کریم نے بہت حد تک پردہ اُٹھایا ہے یوں تو قرآن کریم غیب کی عظیم الشان باتوں سے بھرا پڑا ہے۔ لیکن اس وقت ہم ان میں سے صرف اسکی بعض ان پیشگوئیوں کا ذکر کرنا چاہتے ہیں۔ جن کا تعلق ہمارے موجودہ زمانہ کی علمی ریسرچ اور ایجادات و انقلابات اور غیر معمولی حالات سے ہے۔ اور جو سائنس اور علوم جدیدہ کا نتیجہ ہیں۔ یہ امور جہاں قرآن کریم و اسلام کے منجانب اللہ ہونے کا ثبوت ہیں وہاں وہ اس امر کے بارہ میں اطمینان کا بھی باعث ہیں کہ اسلام اور سائنس دونوں آپس میں کامل اتحاد رکھتے ہیں۔ اور ان میں کسی قسم کا بھی تضاد نہیں۔ اور اگر کہیں ان میں کوئی اختلاف نظر آتا ہے تو یہ انسانی تحقیق و تفتیش کی کوتاہی کا نتیجہ ہے۔ یا تو کلام الٰہی کو صحیح طور پر نہ سمجھ کر اسے سائنس کے خلاف قرار دے دیا گیا ہے۔ یا پھر کائنات عالم کی تشریح اور اس کے متعلق نظریات قائم کرنے میں انسانی دماغ نے غلطی کھائی ہے۔ جیسا کہ نظریات اور تھیوریوں کی غلطیوں کے واقعات و تجربات نے اسے بارہا ثابت کر دیا ہے۔

پس اس کی اصل وجہ یہ نہیں کہ ان دونوں میں کوئی حقیقی اختلاف ہے۔ یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ قرآن کریم ہی اکیلی الٰہی کتاب ہے جو سائنس اور علوم حقہ کی محرک ہے اور انہیں اپنے ساتھ لے کر چلتی ہے۔ قرآن کریم نے اول جا بجا مظاہر قدرت اور عالم فطرت کی طرف انسان کو توجہ دلا کر اس پر غور و فکر کرنے کی دعوت دی ہے۔ اور نہ صرف اسی قدر بلکہ خود اس پر کافی روشنی ڈال کر بہت سی قابل قدر و قیمتی معلومات اور حقائق کو واشگاف کیا۔ اور اسے اس امر کیلئے مشوق دلایا ہے کہ وہ اپنے گردو پیش اور ماحول کے مناظر اور دنیا کے عجائبات کے متعلق تحقیق کر کے اسے اپنے اور دوسروں کے لئے زیادہ سے زیادہ مفید بنائے۔

قرآن کریم نے واضح الفاظ میں بتا دیا۔ کہ اسلام کی صداقت کے اظہار کے لئے دنیا کو مختلف قسم کے نشانات دکھائے جائیں گے فرماتا ہے۔ سنریہم ایاتنا فی الآفاق وفی انفسہم۔ ان عظیم الشان نشانات میں سے وہ پیشگوئیاں بھی ہیں جن کا تعلق اس زمانہ کی سائنس اور علوم جدیدہ سے ہے۔ وہ پیشگوئیاں انسانی عقل و فکر سے بہت بالا ہیں۔ کوئی انسانی عقل ان کے متعلق خبر دینے کی قدرت نہیں رکھتی۔ بلکہ وہ امور غیبیہ سے ہیں۔ وہ اس کی صداقت کو روز روشن کی طرح واضح کر رہی ہیں وہ اس کے لئے ناقابل تردید ثبوت و دلائل ہیں جو زبردست نشانات کی حیثیت رکھتی ہیں۔ وہ انسان کے تجربہ و علم و قیاس وغیرہ سے باہر ہیں بلکہ ہم کہہ سکتے ہیں کہ عقلی و نقلی دلائل سے ان کا مرتبہ بہت فائق ہے۔ اور وہ کوئی ایک دو نہیں بلکہ ان کا ایک لمبا سلسلہ چلتا ہے۔ جب انہیں یکجائی طور پر دیکھا جائے تو وہ ایک بے نظیر نقشہ ہمارے سامنے پیش کرتی ہیں۔ جسے دیکھ کر حیرانی ہوتی ہے کہ کس طرح وہ صدیوں پہلے بتائی گئی تھیں۔ مگر ان میں سے کئی انسان کی نظروں سے اوجھل رہیں۔ اور آج وہی ہمارے سامنے چمکتے ہوئے سورج کی طرح ظاہر ہو رہی ہیں۔

الغرض قرآن کریم جہاں سائنس و علوم صحیحہ کی طرف انسان کو متوجہ کرتا ہے۔ وہاں وہ ان کے ساتھ تعلق رکھنے والی ریسرچ و ایجادات وغیرہ کا ذکر کر کے انکے لئے پیشگوئیاں بیان کرتا اور ان کو اسلام و بانی اسلام علیہ السلام کی صداقت کے ثبوت میں پیش کرتا ہے نیز ان ایجادات وغیرہ کو آخری زمانہ کے موعود کی علامات اور غلبہ اسلام کا نشان قرار دیتا ہے۔

اب ہم ان کے بعض متفرق اجزاء کو مجموعی صورت میں ناظرین کرام کے سامنے رکھتے ہیں۔ اور اول ان کا ذکر کریں گے جن کا تعلق ریسرچ و علمی تحقیقات سے ہے فرماتا ہے:۔

یومئذ تحدث اخبارہا بان ربک اوحی لہا (زلزال) کہ آخری زمانہ میں زمین عجیب و غریب باتیں کریگی اور اسکی وجہ یہ ہوگی کہ اس وقت اس کے رب کی طرف سے اسے الہام ہوگا۔ گویا خدا تعالیٰ کے الہام کے ماتحت دنیا میں انقلاب کے لئے طرح طرح کی نئی علمی باتیں پیدا ہوں گی۔ اور تحقیقاتیں ہوں گی اور نئے نئے علوم کا رواج ہوگا۔

یہ تو زمین کا حال ہوگا۔ آسمان کے متعلق فرمایا۔ واذا السماء کشطت کہ نہ صرف زمین کا یہ حال ہوگا بلکہ آسمانی تحقیقات کے بھی دروازے کھولے جائیں گے اور ان کے متعلق بھی تحقیقات ہو کر بڑے بڑے علوم ظاہر ہوں گے۔ اور بال کی کھال اتاری جائے گی۔ اور بہت سے مخفی امور منصہ شہود پر آجائیں گے غرضیکہ دنیا کی علمی ترقی اپنے عروج پر پہونچ جائے گی۔

پھر فرمایا واذا القبور بعثرت (انفطار) جس میں آثار قدیمہ کی طرف اشارہ کیا ہے کہ پرانے کھنڈرات کو کھود کر تمدن کے آثار اور دفینے نکالے جائیں گے جن کی وجہ سے تمدن کو خوب ترقی ہوگی اور اسلام پر جو تاریخی اعتراضات ہونگے ان کے جوابات وہ اثری تحقیقات مہیا کریگی جس سے ایسے ایسے حقائق سامنے آجائیں گے جن سے اسلام کی صداقت ثابت ہوگی۔ یہ بھی بتایا کہ فتری القوم فیہا صرعیٰ اسی تحقیق کے نتیجہ میں پرانی اقوام کے عروج و زوال کا علم حاصل ہوگا۔ اور پرانی لاشوں کے ڈھانچے برآمد ہو کر علمی تحقیقات و معلومات میں اضافہ ہوگا آج اس ریسرچ کا نتیجہ ہمارے سامنے ہے۔ ایک اور جگہ فرمایا یوم تبلی السرائر کہ ان تحقیقات کے نتیجہ میں عجیب و غریب مخفی باتیں اور چیزیں ظاہر ہوں گی۔ پھر فرمایا اخرجت الارض اثقالہا۔ پٹرول مٹی کا تیل۔ کوئلہ۔ سونا۔ چاندی۔ لوہا اور دیگر دھاتیں جن کی جنگوں اور دیگر کاموں میں ضرورت ہوگی۔ زمین سے بکثرت نکل آئیں گی۔ بنجر زمین آباد ہوگی اور بکثرت غلے نکالے گی۔ اور وہ چیزیں جن کی طرف لوگوں کی پہلے توجہ نہ ہوگی ظاہر ہو جائیں گی۔ ایک اور جگہ فرماتا ہے۔ واذا الوحوش حشرت بتایا کہ اس زمانہ میں وحشی اقوام کی اصلاحات اور انکی تمدنی زندگی کے آثار ظاہر ہونگے علاوہ ازیں چڑیا خانوں کے ذریعہ سے حیوانی علوم کو وسعت حاصل ہوگی اور ان کے معلومات و جنرل نالج میں اضافہ ہوگا۔

— ٭ — ٭ — ٭ —

پھر فرماتا ہے۔ واذا النفوس زوجت بتایا کہ ساری دنیا اس وقت ایک شہر کی طرح ہو جائے گی۔ اسی طرح کمپنیوں کے معرض وجود میں آنے کا بھی اس میں اشارہ موجود ہے کہ لوگ مل کر ساری دنیا میں تجارت کو فروغ دینے کے لئے کوشش کریں گے۔

خاص علمی کانفرنسوں کے انعقاد و مقابلوں اور ان کے نتائج وغیرہ کے متعلق فرمایا۔ والصافات صفا فالزاجرات زجرا فالتالیات ذکرا۔۔۔۔۔۔ (صافات) بتایا کہ علمی کانفرنسوں کا انعقاد اسلام کے لئے کسی خطرہ کا موجب نہ ہوگا۔ بلکہ ان کے ذریعہ سے اسے دیگر ادیان پر غلبہ حاصل ہوگا۔ اور دنیا میں توحید کا ڈنکا بجے گا۔

آلات نشریات و اشاعات کے متعلق فرمایا۔ والناشرات نشرا فالفارقات فرقا۔ فالملقیات ذکرا (مرسلت) کہ اس زمانہ میں اسلام کی سہولت و اشاعت و ترقی کیلئے بجلی و وائرلیس ریڈیو، ٹیلی ویژن وغیرہ آلات سامان پیدا کر دیئے جائیں گے۔ اور وسیع پیمانے پر ساری دنیا کو معلومات حاصل ہونگی اور ان کے ذریعہ سے پروپیگنڈا تبلیغ تعلیم و تربیت اور تنظیم ہوگی۔ اور اس طرح اسلام کے غلبہ کے سامان پیدا ہو جائیں گے۔ آج یہ سامان ہر شخص کے سامنے موجود ہیں۔ اسی طرح یہ بھی فرمایا ہے کہ اذا الصحف نشرت کہ ان کے علاوہ اسلام کے جن سامانوں کی ضرورت ہوگی وہ بھی پیدا ہو جائیں گے۔ دنیا میں دیوہیکل مشین و مطابع ایجاد ہو جائیں گے۔ اور اخبارات کتب و رسائل کے ذریعہ بھی عالمگیر اشاعت ہوگی۔ قرآن کریم کو دنیا کے کونے کونے میں پہنچانے کے لئے طرح طرح کی سہولتیں ظاہر ہو جائیں گی۔ پراپیگنڈا کا خوب زور ہوگا۔ غرضیکہ قرآن کریم نے نشر و اشاعت کی کثرت و وسعت قرآنی علوم کی اشاعت کے نئے نئے سامانوں کی ایجاد کی عظیم الشان خبر دیکر مسلمانوں کو مطمئن کر دیا۔

باربرداری کے ذرائع اور انکی تیز رفتاری و سرعت کا بھی ذکر موجود ہے۔ فرماتا ہے۔ فالحاملات وقرا فالجاریات یسرا کہ بڑے بڑے آلات جر ثقیل کے نکل آئینگے اور رسل و رسائل اور مواصلات کے ایسے ایسے سامان معرض وجود میں آجائیں گے۔ جو تیزی و آسانی و عمدگی سے چلیں گے اور نہایت آرام دہ ہوں گے۔ وہ بڑے بڑے بھاری بوجھ و سامان دنیا کے ایک حصہ سے دوسرے حصہ میں قلیل سے قلیل عرصہ میں پہنچا دینگے۔ اس میں ہوائی جہازوں موٹروں ریل گاڑیوں وغیرہ کا جو باوجود بھاری بوجھوں کے نہایت سہولت و تیزی سے منزل مقصود پر پہنچانے کا کام دیتے ہیں ذکر ہے۔

— ٭ — ٭ — ٭ —

ڈاک۔ تار۔ وائرلیس اور ریڈیو وغیرہ آلات کے ذریعہ سے خبروں کی صحیح اشاعت و تقسیم کو بھی ذکر کیا ہے۔ فرماتا ہے۔ فالمقسمات امرا کہ ایسے ایسے سامان و جماعتیں پیدا ہو جائیں گی جو ہر قسم کی خبروں و سامانوں و مسافروں کو تقسیم کر سکیں گے۔ ٹھکانوں پر پہنچا دیں گی۔ جس میں نقل و حرکت و

ٹاک وغیرہ کے اعلیٰ انتظام آسائیوں و سہولتوں کی طرف اشارہ ہے۔ جن سے اسلام کو غیر معمولی فائدہ پہنچے گا والمرسلت عرفا فالعصفت عصفا میں بھی ان آلات و مشینوں کی تیز رفتار وغیرہ کا ذکر کیا ہے۔ بتایا کہ ان کو حسب منشاء تیز اور نرمی سے چلا کر کام لیا جا سکیگا۔ اسی طرح فرمایا والسابحات سبحا فالسابقات سبقا کہ وہ سامان ایک دوسرے سے سبقت لے جانے والے ہونگے۔

اب دیکھیں کہ کس طرح اس میں اس زمانے کی جملہ ایجادات کی طرف اختصار کے ساتھ اشارہ کر کے انکی حقیقت ظاہر کر دی ہے۔ کوئی چیز ان سے باہر نہیں رہتی۔ سٹیم، بجلی وغیرہ کے ذریعہ سے چلنے والی کلیں سب اس میں آجاتی ہیں۔ یہ اسلام کے غلبہ کے لئے سامان ہونگے جو خدا تعالیٰ اس زمانہ میں پیدا کر دے گا۔

خاص طور پر سوائے جہازوں ریل گاڑیوں اور موٹروں وغیرہ کی ایجاد کے متعلق فرمایا واذا العشار عطلت کہ دس ماہ کی گابھن اونٹنیوں کے استعمال کی اسوقت ضرورت نہ رہے گی۔ پرانے زمانہ کی دقت دور ہو جائے گی۔ نئی نئی قسم کی سواریاں پیدا ہو جائیں گی سورۃ یٰسین میں فرمایا کہ خدا تعالیٰ تمہیں جانوروں پر سوار کرتا ہے۔ اور آئندہ ایسی سواریوں پر بھی تمہیں سوار کریگا جن کا علم ابھی تمہیں نہیں اور نہ وہ تمہارے وہم و گمان میں ہیں کہ وہ کس قسم اور کس ہیئت کی ہوں گی۔

یہود کا فلسطین میں اجتماع

منجملہ ان اخبار کے ایک اور اہم خبر کا بھی ذکر کیا ہے جس کا آجکل کی سیاسیات عالم پر بڑا اثر ہے۔ اور وہ یہود کی فلسطین میں بازگشت ہے۔ فرمایا۔ فاذا جاء وعد الآخرة جئنا بكم لفيفا کہ اس وقت یہود کی ملک کنعان میں واپسی و اجتماع کی اہم خبر تمہیں دیتے ہیں۔ ان کا یہ اجتماع ان کی تباہی کے لئے ہوگا ورنہ اگر وہ ساری دنیا میں مختلف ممالک میں منتشر رہتے تو ان کی تباہی انتہا کو نہ پہنچ سکتی۔ اس پیشگوئی کے ذریعہ سے یہود کا کانٹا جو اسلام کے لئے خطرہ ملوگا ہمیشہ کے لئے نکال دیا جائے گا۔ اور مرکز میں آخری یہودی تک ختم ہو جائے گا۔ حدیث میں آتا ہے کہ جس پتھر کے پیچھے یہودی چھپے گا وہی پتھر اس کی خبر دے گا یہ غیر معمولی تباہی ایک آنے والی جنگ عظیم کی خبر کو نمایاں کر رہی ہے جس کے ذریعہ سے پرانے آسمان و زمین بدل کر نیا آسمان و نئی زمین بنے گی۔

خوفناک جنگوں کی خبر

اسلام نے ان اخبار و پیشگوئیوں کو جہاں اسلام اور بانیٔ اسلام علیہ السلام کی صداقت کے ثبوت میں پیش کیا ہے وہاں ان کو آنے والے موعود کی علامات بھی قرار دیا ہے۔ لہذا اب ہم تصویر کے دوسرے رُخ کو لیتے ہیں۔ چنانچہ فرماتا ہے وما كنا معذبين حتى نبعث رسولا۔ (بنی اسرائیل ع۲) کہ دنیا میں نہایت خطرناک عذاب آئینگے اور وہ بغیر نبی کی بعثت اور اسکے انتباہ کے نہیں ہوں گے۔ اول دنیا کو نبی کی بعثت کے ذریعہ سے بیدار و ہوشیار کیا جائیگا اور اس کے اتمام حجت کے بعد وہ عذاب آئیں گے۔ دوسری طرف فرماتا ہے۔ وان من قرية الا نحن مهلكوها قبل يوم القيمة او معذبوها عذابا شديدا (بنی اسرائیل ع۶) کہ آخری زمانہ میں جس کی علامات اوپر گذر چکی ہیں۔ ہم دو صورتیں اختیار کریں گے اس عذاب کے ذریعہ سے جب دنیا کی بہر بستی تباہ ہو گی تو یا تو وہ کلیتہً تباہ و برباد کر دی جائے گی۔ یا پھر پورے طور پر تو تباہ نہ ہو گی۔ مگر عذاب شدید میں ضرور مبتلا ہو گی یہ فیصلہ شدہ امر ہے اس میں ہرگز تخلف نہ ہوگا۔

چنانچہ اسی کے متعلق دوسری جگہ یہ فرماتا ہے۔ وتركنا بعضهم يومئذ يموج في بعض ونفخ في الصور فجمعناهم جمعا (کہف ع۱) کہ ایک طرف اہل روحانی طور پر بگل بجے گا اور خدا کا مامور کھڑا ہوگا اور دوسری طرف مادیات سے متعلق ظاہری جنگوں کے متعلق بگل بجے گا اور وہ بگل ایسا بجے گا کہ دنیا کی تمام قومیں میدان جنگ میں نکل آئیں گی۔ اور سب جمع ہو جائینگی اور ان میں سے کوئی بھی پیچھے نہ رہے گا اور نہ کوئی اپنے آپ کو علاوہ رکھنے کی کوشش کر کے اس سے بچ سکے گا۔ وہ بگل اس امر کی علامت ہوگا۔ کہ دنیا میں خدا تعالیٰ کی طرف سے وعید ظاہر ہو چکا ہے۔ اور اس کا مامور اتمام حجت کر چکا ہے۔ پھر فاذا نقر في الناقور فذلك يومئذ يوم عسير کہہ کر اس زمانہ کے غیر معمولی طور پر جنگوں کا زمانہ ہونے کی طرف اشارہ کیا۔

اس کی کیفیت کے متعلق بتایا کہ فكيف تتقون ان كفرتم يوما يجعل الولدان شيبا السماء منفطر به (مزمل) مخالفوں کو بتایا کہ تم اس عذاب سے بچنے کی کوئی صورت نہ پاؤ گے۔ وہ ایسا خطرناک عذاب ہوگا کہ اس کی وجہ سے بچے بوڑھے ہو جائینگے۔ فضائے آسمانی پر عذاب کا سامان پھٹیگا اور وہیں سے عذاب نازل ہوگا۔ قاعدہ ہے کہ ظرف کا ذکر کر کے اس سے مظروف مراد لیتے ہیں۔ جیسے کہتے ہیں۔ نہر بہتی ہے حالانکہ نہر نہیں بہتی بلکہ پانی بہتا ہے۔ اسی طرح آسمان کے پھٹنے سے مراد فضائے آسمانی میں پھٹنے والی چیزیں ایٹم و ہائیڈروجن بم وغیرہ ہیں جن کے پھٹنے سے اس کی حالت وہ ہوگی جس کا اذا انشقت السماء فكانت وردة كالدهان میں ذکر ہے کہ جب ایسا ہوگا تو چاروں طرف فضا لال سرخ ہو گی۔ قرآن کریم نے اس امر پر بھی روشنی ڈالی ہے کہ وہ جنگیں یاجوج ماجوج اقوام کے درمیان ہونگی۔ اور وہ ایک دوسرے پر اس طرح چڑھائی کرینگے جیسے سمندر موجیں مارتا ہے۔ یاجوج ماجوج سے مراد وہ اقوام ہیں جو آگ دہانی سے کام لیں گی۔ یعنی روس و انگریز وغیرہ۔ چنانچہ قرآن کریم نے خود ہی ان کی نشاندہی بھی کی ہے۔ فرماتا ہے یوم ينفخ في الصور ونحشر المجرمين يومئذ زرقا يتخافتون بينهم ان لبثتم الا عشرا (طٰہٰ ع۵) بتایا کہ جنگ کا بگل بجانے والی قومیں نیلی آنکھوں والی ہوں گی۔ اس بات سے کسی کو انکار نہیں کہ نیلی آنکھوں والی قومیں یہی مذکورہ اقوام ہی ہیں۔ پس یہی جنگ کا مرکز ہونگی۔

ایک اور مقام پر اس عذاب اور اس کی وسعت کو اور بھیانک صورت میں اس طرح بیان کیا ہے هل اتاك حديث الغاشية کیا تمہیں ڈھانپ لینے والے غیر معمولی عذاب کی گھڑی کی اطلاع ملی ہے۔ يوم يغشاهم العذاب من فوقهم وہ ایسا خطرناک عذاب ہوگا کہ وہ اوپر سے سب کو ڈھانپ لے گا۔ ومن تحت ارجلهم وہ صرف اوپر ہی کی طرف سے نہ آئیگا بلکہ وہ نیچے سے بھی ظاہر ہوگا۔ اور انسان کے لئے بچاؤ کی کوئی سبیل نہ ہو گی۔ يوم يسمعون الصيحة ذلك يوم الخروج . . . . يوم تشقق الارض عنهم سراعا کہ اس وقت نیچے سے زمین پھٹیگی اور اس کے پھٹنے سے قبل کسی کو اس کے متعلق علم نہ ہو سکیگا۔ عذاب کے وہ حوادث تیزی سے اچانک ظاہر ہوں گے۔ اور نہایت سرعت سے اپنا اثر دکھائیں گے۔ کہ لوگ اپنے آپ کو سنبھال نہ سکیں گے۔

سورۃ زلزال میں اسکی شہادت کو اس طرح واضح کیا ہے۔ اذا زلزلت الارض زلزالها۔ کہ اسلام کے غلبہ کا وہ وقت ہوگا جب کہ دنیا میں زلزلوں کا ایک لگاتار سلسلہ چلتا چلا جائے گا۔ گویا وہ زلزلے زمین میں بھی ہوں گے اور آسمان پر وہ زلزلے عام بھی ہونگے اور جنگی بھی۔ ان سے بچنے کی کوئی صورت دکھائی نہ دے گی

— — — —

اسی پر بس نہیں کی بلکہ اس عذاب کی شدت مزید یہ فرمایا یوم تمور السماء مورا وتسير الجبال سيرا کہ فضاء آسمانی اور بلندیوں پر ایک خطرناک حرکت ہو گی۔ جس کا اندازہ لگانا انسانی عقل کے لئے قبل از وقت دشوار ہے۔ بڑے بڑے پہاڑ اڑائے جائیں گے اور نقل مکانی کرینگے۔ اور بڑے بڑے جہاز جو ٹیلوں کی مانند ہوں گے اس مقصد کے لئے استعمال ہوں گے۔ گویا فضا کی بلندیوں پر بھی اور دوسری طرف سمندروں اور خشکی پر بھی۔ گویا بڑے بڑے آلات حرب مثل ہوائی جہازوں و سمندری جہازوں و ریلوں وغیرہ کے ہیں حرکت میں آئیں گے۔ جن کا اندازہ آج کل کی جنگوں میں ہزاروں ہوائی جہازوں کی اڑان اور دیگر آلات کے استعمال سے سامنے آگیا ہے۔ ان کے ذریعہ سے پہاڑوں کو بھی ہلا دیا گیا پہاڑوں جیسی سلطنتوں کو ملیا میٹ کر دیا گیا۔ اس عذاب کی شدت کو جہنم قرار دیا ہے۔ فرماتا ہے اذا الجحيم سعرت یوں سمجھو کہ دوزخ بھڑکائی جائے گی اور اس کے ساتھ یہ بھی فرماتا ہے۔ اذا الجنة ازلفت کہ جنت قریب کی جائیگی ان دونوں چیزوں سے مومن و کافر حصہ پائیں گے۔ حدیث میں آتا ہے۔ الدنیا سجن للمؤمن وجنة للكافر۔ مال و دولت و سامانوں کی فراوانی و آرام و آسائش کے لحاظ سے دنیا مومن کے لئے قید خانہ اور کافر کے لئے دوزخ ہوتی ہے لیکن اس وقت ظاہری طور پر بھی جنت و دوزخ قریب کی جائینگی۔ کیونکہ وہ نبی کی بعثت کا زمانہ ہوگا۔ گویا مومنوں کے لئے روحانی طور پر جنت ان کے سامنے آجائے گی۔ اور کافروں کے لئے ظاہری طور پر بھی دوزخ بھڑکائی جائے گی۔ یہ شدت عذاب کی انتہا ہو گی۔

ان جنگوں و زلزلوں کی تباہیوں اور عذابوں سے ہلاکت کے تواتر و تسلسل کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا۔ یوم ترجف الراجفة تتبعها الرادفة (نازعات) کہ یہ حوادث غیر معمولی رنگ میں پے در پے ظاہر ہوں گے۔ صرف ایک یا صد دفعہ ہی ظاہر ہو کر ختم نہ ہو جائیں گے بلکہ وقفہ وقفہ کے بعد ان کا وقوع ہوتا رہے گا

اسی طرح زمین کی اس وقت کی حالت کا نقشہ ان الفاظ میں کھینچا ہے۔ کلا اذا دكت الارض دكا دكا کہ زمین ٹکڑے ٹکڑے کر دی جائے گی۔ چاروں طرف بموں کی بھرمار کی وجہ سے جو اسکی صورت ہوگی اسے ان الفاظ میں بیان کیا ہے اس سے ان سامانوں کا کسقدر اندازہ لگایا جا سکتا ہے جو اس کام کے لئے ظاہر ہونگے جسکی تصدیق آج زمانے نے کر دی ہے یعنی کیونکہ زمین کا جو حال ہوتا ہے وہ پوشیدہ نہیں۔

دنیا کی اقتصادی و معاشرتی مشکلات کا حل اسلام میں

از جناب شیخ عبد الحمید صاحب عاجز۔ بی۔اے ناظر بیت المال قادیان

آج دنیا کے اکثر ممالک اپنی اقتصادی اور معاشرتی مشکلات کا حل تلاش کرتے ہوئے دو متضاد اور متقابل نظریات کی بنا پر ایک خطرناک اعصابی جنگ میں مبتلا ہیں۔ اور ایک دوسرے کے خلاف صف آرا ہو کر اس عالم کو تباہی کی طرف لے جا رہے ہیں۔ سرمایہ داری کا سینکڑوں سال کا پرانا نظام ایک ایسے راستے پر چل رہا تھا کہ جس سے قوموں اور ملکوں کی دولت سمٹ کر ایک خاص محدود طبقہ کے ہاتھ میں جمع ہو گئی۔ اور دنیا کی آبادی کا بقیہ حصہ افلاس و غربت کا شکار ہو کر انتہائی بے بسی اور کمزوری کی حالت کو جا پہنچا ہے۔

مشکلات کی اصل وجہ اور ان کے مختلف حل

سرمایہ داری نظام کے ماتحت امارت و غربت میں غیر معمولی امتیاز اور عوام الناس کی بڑھتی ہوئی پریشانیاں اور مشکلات کمیٔ دولت کی وجہ سے نہیں بلکہ غیر محدود شخصی آزادی اور سودی کاروبار کے باعث غیر متوازی تقسیم دولت کے نقائص اس کے ذمہ دار ہیں گو دنیا کے تمام ممالک میں دولت کی پیداوار تو روز افزوں مقدار میں ہوتی رہی۔ لیکن اس پیدا شدہ دولت کی غلط تقسیم بے چینی کا باعث بنی اور سرمایہ داری نظام کے خلاف ردعمل کے طور پر جس قدر مختلف اصلاحی تحریکات وقتاً فوقتاً ظاہر ہوئیں۔ ان سب کا نصب العین یہ تھا کہ تقسیم دولت کے طریق کی اصلاح کر کے امیر و غریب کے غیر معمولی فرق کو مٹایا جائے۔ اور فردی آزادی کے نتیجہ میں جو اقتصادی مشکلات پیش آ رہی ہیں۔ ان کو ختم کیا جائے۔ اور چونکہ مختلف ممالک اور اقوام کی اقتصادی مشکلات کا حل انفرادی کوششوں کے دائرۂ عمل سے باہر تھا۔ اور اجتماعی جدوجہد میں کامیابی بغیر سیاسی طاقت کے حصول کے ممکن نہیں تھی اس لئے گذشتہ صدی میں یورپ کے مختلف ممالک میں جن تحریکات نے جنم لیا۔ ان سب نے سیاسی طاقت کے حصول کو اپنے پروگرام کا حصہ قرار دیا۔ چنانچہ سب سے اول جمہوریت کا نعرہ بلند ہوا۔ اور دنیا کے اکثر ممالک نے اس کا خیر مقدم کیا۔ اور عوام نے اپنے منتخب شدہ نمائندوں کو حکومت میں بھجوا کر اپنی مشکلات کے ازالہ کیلئے ایک قدم اٹھایا۔ اور متعدد ممالک نے بعض ترمیمات کے ساتھ جمہوریت کو اپنانے کی کوشش کی۔ تا وہ اس کے ذریعہ سے اپنی اقتصادی اور معاشرتی پریشانیوں کا حل نکال سکیں پھر بعض ممالک میں ان کے مخصوص حالات اور رجحانات کے مطابق قسم قسم کی کئی اور تحریکات نے سر اٹھایا۔

● —— مثلاً مزدوروں کے حقوق کے تحفظ کے لئے جو تحریک معرض وجود میں آئی اسے سوشلزم کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔

● —— جرمنی میں نازی ازم اور اٹلی میں فیشنزم کا چرچا ہوا۔ یہ ہر دو تحریکات قومی اور نسلی فوقیت پر مبنی تھیں۔ اور طاقت و تشدد کا استعمال ان کے لائحہ عمل کا لازمی جزو قرار دیا گیا۔

ان تمام تحریکات کی تفصیل میں جانا میرے آج کے مضمون کا حصہ نہیں بلکہ اس وقت مجھے صرف اس قدر بتانا مقصود ہے۔ کہ اقوام عالم کا یہ ذہنی اضطراب اور احساس بیداری ایک معین شکل اختیار کر چکا تھا۔ اور واجبی حقوق سے محروم طبقہ ہر ملک میں اپنی حالت کی بہتری کے لئے عملی تدابیر اختیار کرنے میں سرگرم عمل تھا لیکن ابتک یہ تمام تحریکات اور نظریات زیادہ تر آئینی طریق سے اپنے حقوق کی حفاظت اور اصلاحِ نظام کے حامی اور مؤید تھے۔

کارل مارکس کا انقلابی نظریہ

مگر اٹھارویں صدی کے آخر میں ایک روسی مفکر کارل مارکس نے دنیا کے سامنے یہ انقلابی نظریہ پیش کیا۔ کہ امراء کو سرمایہ دار حکومت کے ساتھ مل کر اپنے مطالبات منوانے اور حقوق کے حصول کی جدوجہد کرنا بے سود ہے تحفظ حقوق کا اصل طریق یہ ہے کہ حکومت اپنے ہاتھ میں لے لی جائے۔

کارل مارکس نے جو اصول پیش کئے لینن نے ان کو اپنایا۔ اور ان کو عملی جامہ پہنانے کا نتیجہ انقلاب روس کی شکل میں ظاہر ہوا۔ صدیوں کی ملوکیت اور استحصال نیز سرمایہ داری کے نظام کے ردعمل میں جو عملی ہیجان روس میں برپا ہوا۔ وہ بھی اسی احساس اور بے چینی کا نتیجہ تھا جس کا ذکر اوپر کیا جا چکا ہے۔ اس انقلاب کے حامی بھی اس بات کے دعوے دار ہیں۔ کہ امارت و غربت کے امتیاز کو مٹایا جائے۔ اور ہر شخص کی ضروریاتِ زندگی کو پورا کر کے عوام کی معاشی مشکلات کا حل کیا جائے روس میں اس تحریک کو بالشوازم کا نام دیا گیا۔ اور بیرونی ممالک میں کمیونزم یا اشتراکیت کے نام سے موسوم ہوئی۔

اشتراکی نظام کی مقبولیت

اشتراکی نظام کی مقبولیت اور ایک حد تک وقتی کامیابی۔ سرمایہ داری کے کہنہ نظام پر سب سے بڑی ضرب کاری ثابت ہوئی۔ اس میں "مساوات" اور "سب کے لئے روٹی" کے نعروں میں جو ظاہری دلکشی اور جاذبیت ہے اس سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا۔ اور اسی کا نتیجہ ہے۔ کہ آج دنیا کا ایک تہائی حصہ اس تحریک کی لپیٹ میں آ چکا ہے۔ اور بقیہ دو تہائی آبادی پر گو اشتراکی نظام کا تا حال غلبہ نہیں ہوا۔ لیکن اس کے زہریلے جراثیم ان ممالک میں بھی بڑی تیزی کے ساتھ سرایت کر رہے ہیں۔ اور اس وقت سوائے امریکہ کے کوئی اور ملک ایسا نہیں ہے۔ جو اشتراکیت کے اقتصادی نظریہ سے متاثر نہ ہوا ہو۔

امریکی نظام جمہوریت

امریکہ جو آجکل جمہوریت اور سرمایہ داری نظام کا سب سے بڑا علمبردار اور محافظ سمجھا جاتا ہے۔ وہاں کے سرمایہ داری نظام میں مفادِ عامہ کی خاطر متعدد اصطلاحات رائج کی جا چکی مثلاً وہاں ملازم اور لیبر طبقہ کے افراد کو پیداوار کے نظام کا ایک حصہ تصور کیا جاتا ہے نہ کہ مدِ مقابل۔ غربت بیکاری اور قدرتی حوادث کے نقصانات کا ازالہ کرنے کے لئے قوانین وضع کئے گئے ہیں۔ اور انفرادی اجارہ داری کے بعض ناجائز حصول یعنی ٹرسٹ۔ کارٹل وغیرہ پر حکومت نے پابندیاں اور کنٹرول کے طریق اختیار کئے ہیں جن سے عوام کا معیارِ زندگی بلند ہونے کے باعث وہاں کمیونزم کے اثرات ابھی تک ظاہر نہیں ہو رہے۔ لیکن امریکہ میں دولت کی فراوانی اور نسبتاً خوشحالی کے باوجود یہ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ ملک بھی اپنے اقتصادی مسائل کو کلی طور پر حل کرنے میں کامیاب ہو گیا ہے چنانچہ امریکہ کے ادارہ اطلاعات کی طرف سے حال ہی میں ایک شائع شدہ کتابچہ امریکن کیپٹلزم Amirican capital ism کے صفحہ ۲۵ پر "غربت ابھی تک دور نہیں ہوئی" کے عنوان کے ماتحت یہ اعتراف کیا گیا ہے کہ

" سوویت جات متحدہ امریکہ کے بعض حصوں سے غربت دور نہیں ہوئی دوسری عالمگیر جنگ کے بعد تقریباً بیس لاکھ فارموں میں کام کرنے والے خاندان ایسے ہیں۔ جو جنوبی علاقہ میں ابتک غربت اور کس مپرسی کی حالت میں غیر متمدن زندگی بسر کر رہے ہیں۔ اور ان کی حالت مغرب ترکستان کی بچھڑی ہوئی اقوام سے بہتر نہیں سمجھی جا سکتی۔ بعض پسماندہ اقلیتی طبقہ کے لوگ ابتک شہروں میں بھی تنگی اور بدحالی کی زندگی بسر کر رہے ہیں خصوصاً نیگرو نسل کے لوگ اپنی حالت کو تسلی بخش نہیں سمجھتے"

دنیا کی اقتصادی مشکلات کا حل اشتراکیت میں

سرمایہ داری نظام اور اشتراکیت کی کشمکش اور اس کے تاریخی پس منظر کا جائزہ لینے کے بعد اب ہمیں اسباب کا جائزہ لینا ہے۔ کہ اشتراکی نظریۂ حیات کے حامی دنیا کی اقتصادی مشکلات کا کیا حل ہمارے سامنے پیش کر رہے ہیں۔

اس تحریک کے اصل موجد لینن کے مندرجہ ذیل الفاظ قابلِ غور ہیں۔

"جس طبقہ کو ابتک لوٹا جا رہا ہے وہ جب اپنے دشمنوں کے خلاف کھڑا ہوگا۔ تو اس کی جدوجہد میں جھوٹ اور مکر و فریب کے ہتھیاروں کا استعمال ناگزیر ہوگا۔"

اسی طرح کارل مارکس کے اشتراکی منشور میں لکھا ہے۔ کہ:۔

"کمیونسٹ اپنے خیالات اور مقاصد کو چھپانا نہیں چاہتے۔ بلکہ علی الاعلان کہتے ہیں۔ کہ انکے مقاصد کی تکمیل جبر و تشدد سے موجودہ نظام سوسائٹی کو الٹ کر کی جا سکتی ممکن ہے۔ اگر موجودہ حاکم طبقہ اشتراکی انقلاب سے ہراساں ہوتا ہے تو ہوا کرے ۔۔۔ سوویٹ یونین میں ہر تندرست شہری کے لئے کام کرنا ایک فرض اور عزت کی بات ہے۔ اس اصول کے ماتحت جو کام نہیں کرتا وہ کھانے کا بھی حقدار نہیں ۔۔۔ محنت کی اجتماعیت اور اسکی امدادی نوعیت پیداوار کی بنیاد ہے۔ اور ہمارے سماج کی مکمل زندگی

یں اجتماعیت کا بہت بڑا حصہ ہے انفرادی اغراض کے لئے محنت سے گذر کر بلند سطح کی پیچیدہ اور اجتماعی محنت پر پہنچنے کے لئے لوگوں میں کہیں زیادہ تنظیمی صلاحیتوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہ کوئی آسان عمل نہیں ہے۔ اور اس دقت کو کامیابی سے نشوونما پا سکتا ہے۔ جبکہ ریاست کا کافی دباؤ ہو۔ اور اسے امداد ملے۔"

مندرجہ بالا اقتباسات سے ظاہر ہے کہ اشتراکی لائحہ عمل میں کسی قسم کی اخلاقی پابندی کی ضرورت نہیں۔ اور جن غیر فطری طریق کو اپنے مقاصد کے حصول کے لئے اختیار کرنا روا سمجھا گیا ہے۔ وہ انسان کی اخلاقی اور روحانی قوتوں کو سلب کرنے والے ہیں

کمیونزم کی جدوجہد کا خلاصہ

کمیونزم کی جدوجہد کا خلاصہ یہ ہے کہ مظلوم کو ظالم کے مقام پر لا کر کھڑا کیا جائے۔ مگر ظاہر ہے کہ اس طریق سے ظلم ختم نہیں ہو سکتا۔ صرف اسکے ہاتھ بدل سکتے ہیں۔ اور اسکے فتنہ و فساد کا دروازہ کبھی بند نہیں ہو سکتا۔ بلکہ ظلم کا ایک لامتناہی چکر شروع ہو جاتا ہے۔ اشتراکیت کا ایک بڑا اصول یہ ہے کہ ہر شخص سے اسکی قابلیت کے مطابق زیادہ سے زیادہ کام لیا جائے۔ اور اسے اسکی ضرورت کے مطابق کم از کم ضروریات زندگی مہیا کی جائیں۔ اور زائد از ضرورت سے زائد پیدا شدہ دولت پر حکومت کا قبضہ ہو۔ روس کے بالشویکی انتظام کے ماتحت ابتداء میں جملہ افراد کی جائیدادوں پر جبراً قبضہ کیا گیا۔ اور لاکھوں انسانوں کو اپنی املاک سے بے دخل ہو کر دوسرے ممالک میں پناہ لینی پڑی۔ ظاہر ہے کہ ذاتی ملکیت کے فقدان سے انفرادی جدوجہد کا راستہ بند ہو جاتا ہے۔ کیونکہ جب ہر شخص کو ہر حالت میں برابر اپنی ضروریات زندگی حاصل کرنے کا حق ہوگا۔ اور کام میں زیادہ دلچسپی اور محنت و مشقت کرنے سے کسی زائد فائدہ کی توقع نہ ہوگی۔ تو ذاتی دلچسپی قائم نہ رہ سکے گی۔ اور یہ امر ملک اور قوم کی ترقی میں ناقابل تلافی نقصان کا باعث ہوگا۔

اشتراکی نظام میں فالتو ذہنی قابلیت جس کے ساتھ ہاتھ سے کام کر کے براہ راست دولت پیدا کرنے کا تعلق نہ ہو۔ کی کوئی قیمت نہیں دی جاتی۔ اس نظام میں حقیر سے حقیر مادی ضرورت کے لئے کام کرنے والا انسان تو سوسائٹی کے لئے کارآمد وجود ہے۔ اور تقسیم دولت میں برابر حصہ لینے کا مجاز ہے۔ مگر مذہبی اور اخلاقی تعلیم دینے والے افراد اس قابل نہیں ہیں کہ اُن کی ضروریات زندگی پوری کی جائیں۔

دراصل مارکس اور لینن کی مادی اشتراکیت میں خدا کے وجود کا سرے سے ہی انکار کیا جاتا ہے۔ اور انکے نزدیک انسان کی روحانی اور اخلاقی راہنمائی کے لئے کسی غیبی خالق کی ضرورت نہیں بلکہ وہ سمجھتے ہیں کہ وہ روحانی زندگی کے تخیل کو ایک بے معنے واہمہ سے کچھ زیادہ اہمیت نہیں دیتے۔ چنانچہ تاریخی واقعات اور حالات اسبات کے شاہد ہیں۔ کہ روس میں بالشویک پارٹی کے برسر اقتدار آنے پر ۱۹۱۸ء میں ہر قسم کی مذہبی تعلیم مکمل بند کر دی گئی۔ اور جو جائیدادیں بھی مذہبی اداروں کے نام پر وقف تھیں۔ حکومت نے ان پر قبضہ کر لیا۔ اور ملکی نصاب تعلیم میں ایسی تبدیلیاں کی گئیں۔ جن سے پبلک میں مذہب کے خلاف نفرت اور حقارت کے جذبات پیدا ہوئے۔

اشتراکیت کا اقتصادی نظام اس امر کا بھی قائل ہے۔ کہ ہر قسم کی پیداوار حکومت کی پالیسی اور ہدایت کے ماتحت ہونی چاہیئے۔ یعنے اس امر کا فیصلہ کرنا حکومت کے اختیار میں ہوگا۔ کہ فلاں علاقہ میں کونسی فصل بوئی جائے۔ پیدائش دولت کے کام میں یہ دخل اندازی نہ صرف اکثر حالات میں اقتصادی لحاظ سے نقصان دہ ثابت ہوتی ہے۔ بلکہ پیشہ ور لوگوں کی عملی آزادی کو بھی چھیننے کے مترادف ہے۔ جس سے انفرادی جدوجہد کے راستہ میں بہت بڑی روک پیدا ہوتی ہے۔

جیسا کہ اوپر ذکر کیا جا چکا ہے۔ اس تحریک کا بہت بڑا نقص یہ ہے کہ اس میں جبر اور تشدد کے طریق کو جائز سمجھا گیا ہے۔ اگر اس کے لیڈر بجائے تشدد کے ترغیب و تحریص سے امراء کو عادی بنا کر ان سے زائد دولت غرباء کے لئے لینے کی کوشش کرتے تو اور بات تھی۔ مگر بغیر مناسب ماحول تیار کئے محض انقلابی تقریرات فتنہ و فساد کے دروازہ کو کبھی بند نہیں کر سکتے۔

خالص اقتصادی اعتبار سے جہاں تک خشک اور جامد مساوات کا تعلق ہے۔ اشتراکیت کے علمبرداروں نے انسانی حقوق کی فطری تقسیم کو سمجھنے میں سخت غلطی کھائی ہے۔ اور [ساتھ ہی] سرمایہ داری نظام کی انتہائی مخالفت کے جوش میں اس امر کو بھول گئے ہیں۔ کہ حقوق کی مساوات کا تعلق صرف قدرتی ذرائع آمد کے یکساں طور پر میسر آنے سے ہے۔ یعنے اقتصادی اور معاشی منفعت

کے کام کسی ایک فرد۔ طبقہ یا قوم کی اجارہ داری نہ سمجھے جائیں۔ بلکہ اس کا دروازہ سب کے لئے کھلا رہے۔ لیکن اقتصادی ترقی کے راستے سب کے لئے یکساں طور پر کھلے رہنے کے باوجود محنت میں زیادتی۔ انفرادی تنظیم اور جدوجہد میں ایک دوسرے سے سبقت و پیدائش دولت میں زیادتی کا باعث بنتی ہے۔ وہ فرق اور امتیاز بھی قانون فطرت پر مبنی ہے۔ کمیونزم نظام اقتصادی میدان میں افراد کی شخصی آزادی اور انفرادی کوشش تسلیم کرنے کی بجائے پیدائش دولت کے جملہ ذرائع کو براہ راست حکومت کے اختیار و ملکیت میں دیکر کل پیداوار کو حکومت کے انتظام کے ماتحت افراد کی ضروریات کے مطابق تقسیم کرنے کے حق میں ہے۔ اور یہ نظریہ اس فطری جذبہ کے خلاف ہے۔ کہ ہر انسان اپنی محنت کا براہ راست خود فائدہ اٹھائے۔ اشتراکی نظام میں اس قدرتی محرک کی عدم موجودگی ایک ایسی بنیادی خامی ہے جو جملہ کاموں میں تیز رفتاری کی روح کو ختم کر کے ملکی ترقی کے لئے غیر معمولی نقصان کا باعث بنتی ہے۔

ان مشکلات کا حل اسلام میں

کمیونزم کے تمام اہم اصولوں کا اختصار سے ذکر کرنے کے بعد اب ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ اسلامی نظام میں دنیا کی موجودہ اقتصادی اور معاشی مشکلات کا کیا حل تجویز کیا گیا ہے۔ سب سے اول یہ جاننا چاہیئے۔ کہ سرمایہ داری اور اشتراکیت ہر دو مادی نظاموں کے برخلاف اسلام ایک روحانی نظام کا قائل ہے۔ جس کی بنیادیں نیکی اور اخلاق پر ہیں۔ اور یہ نظام باوجود روحانی ہونے کے افراد کی مادی ضروریات کو نظر انداز نہیں کرتا۔

اسلام کے نزدیک تخلیق انسانی کا مقصد مادی تصورات سے بہت بلند ہے۔ اس کے نزدیک انسانی زندگی کا مادی پہلو محض ایک عارضی اور ثانوی حیثیت رکھتا ہے۔ جہد للبقاء میں حیوانیت کو نہیں بلکہ روحانیت کو اصل معیار زندگی سمجھا جاتا ہے۔ اور انہی بنیادوں پر انسانیت کا مکمل تخیل پیش کر کے اسلام رنگ و نسل۔ وطن و قوم اور عرب و عجم کے تمام امتیازوں کو مٹا لایا بتاتا ہے ◆ —— اسلام کا اثباتی تصور انسان کی روحانیت سے اس طرح متعلق ہے کہ وہ اس دنیا میں زیادہ سے زیادہ انفرادی اور

اجتماعی فرائض کو سرانجام دے سکے۔ گو حقیقی مسلمان کی پرواز فکر مائدہ آسمانی کی متلاشی ہے۔ اور مادی اشیاء کا حصول اس کا مقصد زندگی قرار نہیں دیا جا سکتا۔ تاہم اسلام زندگی کی حقیقتوں سے گریز نہیں سکھاتا۔ بلکہ ایک عملی اور اثباتی فلسفہ عمل کی دعوت دے کر مشکلات پر حاوی ہونے کی تلقین کرتا ہے۔ اور روحانی بنیادوں پر ایک ایسا معاشی نظام استوار کرنا چاہتا ہے۔ جس میں بغض۔ حسد۔ رقابت اور نقصان دہ مقابلہ کی بجائے محبت۔ الفت۔ یگانگت۔ قربانی اور ایک دوسرے سے تعاون ہو۔ اور خلق انسانی حیوانیت کی پستیوں سے نکل کر روحانی بلندیوں تک پہنچ سکے۔ جہاں مقصود بالذات روٹی نہ ہو۔ بلکہ روٹی اس لئے ضروری ہو۔ کہ انسان کا مادی وجود قائم رہے۔ اور وہ روحانی ترقی کر سکے۔

اسلامی نظریہ حیات کی تشریحات ایک علیحدہ مضمون کی متقاضی ہیں۔ اور یہاں کسی تفصیل کے ساتھ سموئی نہیں جا سکتیں۔ تاہم میں سمجھتا ہوں۔ کہ مندرجہ بالا وضاحت اصولی نکتہ کو سمجھنے کے لئے کافی ہوگی۔

اسلامی نظام خلافت

عقل انسانی کے تجویز کردہ مادی نظاموں کے مقابل پر جس الٰہی نظام خلافت کو اسلام پیش کرتا ہے۔ اس میں علاوہ انسان کی روحانی ضروریات کے بنیادی مشکلات کا بھی حل موجود ہے۔ اس انتظام میں ساری سیاسی اور معاشی مساوات روحانی مساوات کے تابع ہو جاتی ہے۔ اسلامی خلیفہ کی پوزیشن ایک شفیق باپ کی طرح ہے۔ جو اپنی اولاد کی نگرانی کے علاوہ اس کی ضروریات زندگی کو بھی پورا کرتا ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے اس کی مثال ایک گڈریئے سے دی گئی ہے۔ جس طرح اس کے ذمہ اپنے ریوڑ کی حفاظت اور خوراک کا کام ہوتا ہے اسی طرح اسلامی نظام حکومت کے سپرد اپنی رعایا کی حفاظت اور اس کی جملہ معاشی ضروریات کو پورا کرنے کا کام لازمی قرار دیا گیا ہے۔

اسلام کا اقتصادی نظام

اسلام نے کمیونزم اور سرمایہ داری ہر دو کے انتہائی مخالف اور غیر فطری نظریات کے مقابل پر جس اقتصادی نظام کو پیش کیا ہے۔ اس میں دولت پیدا کرنے اور اس سے فائدہ اٹھانے کے ذاتی حقوق کو تسلیم کرنے کے باوجود تقسیم دولت

کے انتظام پر بعض ایسی پابندیاں لگادی گئی ہیں۔ جن سے یہ چند ہاتھوں میں سمٹنے کی بجائے زیادہ سے زیادہ ہاتھوں میں تقسیم ہوکر کافی حد تک مساوی طور پر پھیل سکے۔ اسلام کے اقتصادی نظام میں ایک طرف تو سرمایہ داری نظام کا مفید پہلو کہ انفرادی جدو جہد کا فطری احساس قائم رہے۔ موجود ہے۔ اور ساتھ ہی اسی اختیار سے پیدا ہونے والے نقصانات کا بھی حل کیا گیا ہے۔ اور دوسری طرف یہ روحانی اشتراکیت کا نظام ہر ممکن اور جائز حد تک مساوات کو بھی اسی رنگ میں قائم کرتا ہے۔ جس سے کمیونزم نظام کا خوبصورت پہلو بغیر اس کے مضر اثرات کے حاصل ہو جاتا ہے اور روحانی بنیادوں پر ذاتی دلچسپی کے ساتھ ساتھ اجتماعی مفاد اور اس کے لئے انفرادی قربانی کا قابل قدر احساس بھی بدستور نشو و نما پاتا ہے۔ گویا کہ اسلام کا معاشی نظریہ حیات سرمایہ داری اور کمیونزم کے درمیان ایک وسطی راستہ ہے۔ جس کا مرکزی نقطہ ہر دو متحارب مادی نظاموں سے بالکل جُدا گانہ ہونے کے باوجود ہر ایک کی خوبیاں اپنے اندر رکھتا ہے۔ اور ان کی خرابیوں سے پاک ہے۔

اسلام کے اس نظام پر غور کرتے وقت سب سے اول یہ بات اچھی طرح سے یاد رکھنے کے قابل ہے۔ کہ ایک مسلمان اس عارضی جسمانی حیات کے بعد ابدی روحانی زندگی کا قائل ہے۔ لہٰذا وہ اپنے ہر قسم کے اقتصادی تمدنی اور معاشرتی افکار و اعمال میں ایسے امور کو پسند کرے گا۔ جو اس مادی حیات کے بعد اس کی اُخروی زندگی کے لئے فائدہ مند ہوں۔ اور اس مقصد کے حصول کے لئے اگر اسے اس زندگی کے بعض مقاصد کو قطعی طور پر نظر انداز بھی کرنا پڑے تو ایک حقیقی مسلمان طوعی قربانی و ایثار کرنے کو تیار رہوگا۔ مگر وہ ایسا تب ہی کر سکتا ہے جبکہ اُسے اقتصادی آزادی حاصل ہوگی۔ نیز چونکہ ثواب اور نیک اجر صرف ایسے کاموں سے مرتب ہو سکتا ہے جو اپنی خوشی سے پوری آزادی کے ساتھ بجالائے جائیں۔ اس لئے ابدی حیات کے زاد راہ کے حصول کے لئے طوعی قربانی کی توفیق کے لئے اقتصادی آزادی کا ہونا از بس ضروری ہے۔ تا انسان زیادہ سے زیادہ نیک اعمال بجا لا کر بنی نوع انسان کی بہتری کے لئے قربانی کر کے اللہ تعالےٰ سے اعلیٰ انعامات کا امیدوار ہو سکے۔ پس اسلامی نظریہ کے مطابق اگر انفرادی ملکیت جائداد اور اس سے فائدہ اُٹھانے کے اصول کو اسلام کے روحانی مقصد عظیم کے ساتھ منسلک کرتے ہوئے تسلیم کیا جائے۔ تو اس دنیا میں ذاتی منفعت اور دولت سمیٹنے کی ہوس کے نقصانات جو موجودہ سرمایہ داری نظام کی پیداوار ہیں۔ خود بخود ختم ہو جائیں گے۔ اور حق ملکیت کا طریق بجائے بے چینی اور فساد کا باعث بننے کے دنیا میں امن و محبت کے قیام کا موجب ہوگا۔ کیونکہ نظریہ حیات کی اس تبدیلی سے ایک نئے روحانی نظام کی بنیادیں مستحکم ہونگی جس میں مقصود بالذات یہ دنیا اور اس کا ساز و سامان اکٹھا کرنا نہ ہوگا۔ بلکہ کم از کم ضروریات زندگی سے زائد پیدا شدہ دولت کی تقسیم اجتماعی فائدہ اور ثواب آخرت کے حصول کے لئے ہوگی

دولت کے ناواجب توازن کا تدارک

اگرچہ اسلامی اقتصاد میں انفرادی آزادی کا جواز اس لئے رکھا گیا۔ کہ افراد میں مقابلہ کی روح ترقی کرکے اجتماعی فائدہ کا موجب ہے۔ اور لوگ طوعی قربانی کر کے سرمایہ آخرت جمع کر سکیں۔ لیکن چونکہ اس امر کا امکان موجود تھا۔ کہ بعض کمزور طبائع اس آزادی کو ناواجب ڈھنگ میں استعمال کر کے دوسروں پر ظلم کریں گے۔ اور بنی نوع انسان کا ایک حصہ دوسروں کی ترقی میں روک بن سکتا ہے۔ اسلئے دولت کے ناواجب توازن کو درست کرنے کے لئے اسلام نے علاوہ طوعی احکامات کے ایسے نقائص کے قانونی تدارک کی صورت بھی تجویز کی۔ اور ایک حد تک حکومت کی دخل اندازی کو بھی جائز قرار دیا۔ اور انفرادی آزادی پر ایسی حدبندیاں لگا دیں جو نا ہی توان کی جائز ترقی میں روکاوٹ پیدا کرے اور نہ ہی ان کو دوسروں کی ترقی میں روک پیدا کرنے کا موقعہ ملے۔

اصولی احکامات و ہدایات کے سلسلہ میں اسلام نے سب سے اول ایک مسلمان کو سادہ اور مفید زندگی کرنے کی تلقین فرمائی ہے۔ اور زائد از ضرورت روپے کو صدقات و خیرات کے طور پر یا رفاہ عام کے کاموں پر خرچ کرنے کی تاکید کی ہے۔ مال و دولت کو لہو و لعب میں ضائع کرنے یا بند خزانوں کی صورت میں جمع رکھنے والوں کے لئے دردناک عذاب کی خبر دی ہے۔ نیز اللہ تعالےٰ نے لذت نفس۔ نمود و نمائش اور اسراف سے منع فرمایا ہے اور ایسے لوگوں سے قیامت کے روز جواب طلب کئے جانے کی پیشگوئی فرمائی جو اپنے مال و دولت کو غیر مفید فضول کاموں پر خرچ کریں گے۔ غرضیکہ ایک مسلمان اگر صحیح اسلامی تعلیم پر عمل کریگا تو زائد از ضرورت دولت نہ ہی تو اسکے پاس منتقل رہ سکے گی۔ اور نہ ہی وہ دولت کا ناجائزہ خرچ کر سکے گا۔ بلکہ اگر اسکے پاس اپنی ضرورت سے زائد روپیہ بچے گا۔ تو وہ اسے خدمت خلق کے تعمیری کاموں پر صرف کرنے پر مجبور ہوگا۔ اسلام کی اس تعلیم نے ایک طرف تو ناجائز محرکات دولت کو روک کر دنیا کی حرص سے منع فرمایا۔ اور ناواجب طریق سے روپیہ کمانے کو روکا۔ اور دوسری طرف دولت کے غیر ضروری اور بے محل استعمال کی ممانعت کر کے ہر ایک مسلمان کو سادہ زندگی بسر کرنے کی ہدایت فرمائی۔

اسلام اور سود

اسلام نے اپنے نظام میں سود کے لین دین کو قطعی طور پر حرام قرار دیکر دنیا کی اقتصادی تباہی کے ایک بہت بڑے ذریعہ کو ختم کرنے کا اعلان فرمایا۔ کیونکہ اس سے سرمایہ دار نہ صرف سوسائیٹی کا ایک وجود بن کر رہ جاتا ہے۔ بلکہ دنیا کے بڑے بڑے صنعتی ادارے اس کے سہارے چند ہاتھوں میں سمٹ کر رہ جاتے ہیں۔ اور عوام الناس کی اقتصادی ترقی کے راستے مسدود ہو جاتے ہیں۔ اور چند افراد ہزارہا مخلوق کو ہمیشہ کیلئے اقتصادی غلامی کا شکار بنا لیتے ہیں۔ اگر جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوگا۔ کہ سرمایہ داروں کی غالب اکثریت سود کے ذریعہ سے ہی مالدار ہوئی ہے۔ اور دنیا میں زیادہ تر سود ہی سرمایہ داری نظام کو بھیانک صورت دینے کا ذمہ دار ہے۔ اگر آج سود کا لین دین بند ہو جائے تو ملکوں کے بڑے بڑے تجارتی اور صنعتی ادارے چند سرمایہ دار افراد کے ہاتھوں سے نکل کر یا تو مشترکہ سرمایہ کی تجارت اور مشترکہ صنعت کی صورت میں تبدیل ہو جائیں گے۔ یا پھر حکومت کے ہاتھ میں چلے جائیں گے۔ اور یہ ہر دو صورتیں ملکوں اور قوموں کی دولت کو مجموعی طور پر فائدہ پہنچانے کا باعث بنیں گی۔

سود کا متبادل

سود کی جگہ اسلام نے قرضہ بصورت رہن یا مشترکہ سرمایہ کے طریق کو قابل عمل اور مفید سمجھا ہے۔ کیونکہ اس میں دولت کے توازن کو بگاڑنے کے بغیر تجارت جاری رہتی ہے۔ اور انفرادی ہمدردی کے احساسات بھی بدستور قائم رہتے ہیں۔ یہ خیال کرنا کہ سود کے بغیر دنیا کی تجارت نہیں چل سکتی۔ ایک غلط نظریہ ہے۔ جو موجودہ ماحول کی پیداوار ہے۔ سود دنیا کی اقتصادی تباہی کا ایک بہت بڑا ذریعہ اور غرباء کی ترقی کے راستہ میں ایک بہت بڑی روک ہے۔ جس کو دور کرنا بنی نوع انسان کا فرض ہے۔ سود کے ذریعہ سے دنیا کی بڑی بڑی تباہ کن لڑائیاں سالہا سال تک جاری رکھی جاتی ہیں۔ اسے سرمایہ داری نظام کی حقیقی بنیاد کے نام سے موسوم کرنا مبالغہ نہ ہوگا۔ کیونکہ دنیا کی اقتصادی مشکلات میں سود کی وجہ سے بیحد اضافہ ہوا ہے۔ اور تعجب یہ ہے کہ اشتراکی نظام میں بھی سود کی لعنت کو ختم کرنے کے لئے کوئی عملی قدم نہیں اُٹھایا گیا۔

ٹرسٹس اور کارٹلز کے ذریعہ سے ملک کی تجارت پر قبضہ اور اجارہ داری کا طریق اسلام نے بھی جائز قرار دیا ہے۔ اسی طرح مال کی قیمت کا ناجائز طور پر گرانا بھی اسلامی تعلیم کے منافی ہے۔ کیونکہ اس سے طاقتور اور مالدار تاجر کمزور اور کم حیثیت والوں کو تھوڑی قیمت پر مال فروخت کرنے پر مجبور کر دیتے ہیں۔ اور انکا دیوالہ نکال کر ساری تجارت پر قبضہ کرنے میں خود کامیاب ہو جاتے ہیں

ناواجب سرمایہ داری کا انسداد

دولت کو ناجائز طور سے کمانے اور جمع رکھنے کی ممانعت کے بارے میں عمومی ہدایات اور پابندیوں کے باوجود کیونکہ اسبات کا امکان موجود تھا۔ کہ بعض لوگ اپنی ہوشیاری اور ایمانی کمزوری کے باعث ناجائز حد تک روپیہ کما کر اپنے پاس رکھینگے۔ اور غرباء کو اس سے نقصان پہنچے گا۔ اسلئے اسلام نے اس خطرہ کے ازالہ اور علاج کے طور پر مختلف احکامات صادر کئے۔

زکواۃ

زکوٰۃ کے حکم کے ماتحت یہ انتظام کیا گیا۔ کہ جس قدر جائداد کسی کے پاس سونے۔ چاندی۔ سکوں یا اموالِ تجارت کی قسم ہو۔ اس پر ایک سال گذر جانے پر ۲½% ڈھائی فی صدی سالانہ ٹیکس حکومت لے کر ملک کے غرباء اور حاجتمندوں کی ضروریات پر خرچ کرے۔ اسلامی نقطۂ نظر سے امراء کی دولت میں چونکہ غرباء کے حقوق اور ان کی محنت کا ایک حصہ بھی شامل ہوتا ہے۔ اس لئے زکوٰۃ کے ذریعہ سے غرباء کو ان کا حق امراء سے لے کر دینے کا حکم فرمایا گیا ہے۔ زکوٰۃ کے اس لازمی ٹیکس کے علاوہ اسلام نے طوعی صدقہ و خیرات کے ذریعہ سے یتیموں غریبوں اور مسکینوں کی خبرگیری اور انکی

پرورش کے لئے مالی قربانی پر بڑا زور دیا ہے۔ اور اپنے غریب بھائیوں کی امداد کو ایک اعلیٰ درجہ کی نیکی قرار دیا ہے۔ اس طوعی نیکی سے سوسائٹی میں باہمی محبت ہمدردی اور اخوت کے جذبات کو زندہ رکھنے کا دروازہ کھلتا ہے۔

اسلامی ورثہ اور وصیت

امارت اور غربت کے امتیاز کو کم کرنے کے لئے اسلامی تقسیم دولت کا حکیمانہ قانون ایک ایسا مفید اور مؤثر ذریعہ ہے۔ جس کی افادیت سے دنیا انکار نہیں کر سکتی۔ اس کے مطابق بڑی سے بڑی جائیداد ایک شخص کی وفات کے بعد تھوڑے ہی عرصہ میں اس کی اولاد در اولاد میں تقسیم ہو کر بڑے سے بڑے خاندان کو عام سطح پر لے آتی ہے۔ اس طرح گویا اسلام ہر نسل کے خاتمہ پر دولت کی تقسیم کا ایک راستہ کھول دیتا ہے اور ایک خاندان میں غیر محدود وقت تک دولت کو جمع نہیں ہونے دیتا۔ اور نہ ہی دولت کو کسی ایک شخص کے لئے مخصوص رکھتا ہے۔ بلکہ ہر مرنے والے مسلمان کا ترکہ اس کے لڑکے لڑکی۔ بیوی خاوند۔ ماں باپ اور بعض صورتوں میں بھائیوں بہنوں اور دوسرے رشتہ داروں میں ایک معین شرح کے مطابق تقسیم کرنا ضروری ہوتا ہے۔ بعض ممالک میں لوگ کل جائداد یا اپنی جائیداد کا بڑا حصہ اپنے خاندان کے کسی خاص فرد کے نام وصیت کر دیتے ہیں۔ لیکن اسلامی تعلیم کی رو سے ہر مسلمان کو اپنی جائداد کے ایک تہائی تک کے متعلق غیر وارثوں کے حق میں وصیت کرنے کا اختیار دیا گیا ہے۔ اس قانون کے مطابق بھی مسلمان اپنی جائیدادوں کا ایک بڑا حصہ غریبوں یا قومی اور ملکی اداروں کے لئے وقف کر دیتے ہیں۔ اور دولت بجائے چند ہاتھوں میں جمع رہنے کے زیادہ سے زیادہ دائرہ میں پھیل کر امارت اور غربت کے امتیاز کو کم کرنے کا باعث بنتی ہے۔

راشن بندی

ایسے خاص ہنگامی حالات میں جبکہ ملک میں قحط یا جنگ ہو۔ اور خوراک کے ذخیرے غیر معمولی طور پر کم ہو جائیں اور ملک کے ایک حصہ کے پاس کم از کم ضروریات کا بھی سامان نہ رہے اسلامی تعلیم یہ ہے کہ امیروں اور غریبوں کے ذخیروں کو یکجا اکٹھا کر کے سب کی ضروریات زندگی کے مطابق راشن بندی کا انتظام کیا جائے۔ چنانچہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں متعدد بار ایسے حالات پیدا ہوئے۔ اور حضور نے اپنی زندگی میں اس تعلیم پر عمل پیرا ہو کر دکھایا۔ کہ اسلام کی عالمگیر تعلیم اگر ایک طرف انفرادیت کو زندہ رکھنے کے لئے فردی آزادی اور ذاتی جائیدادوں کے اصول کو تسلیم کرتی ہے۔ تو دوسری طرف قومی اور ملکی مفاد اور غریبوں کی امداد کے انتظام کے علاوہ انتہائی قلت غذا کے حالات میں پبلک کو ہلاکت سے بچانے کے لئے مساوی راشن سسٹم کو جاری کر کے ہنگامی مشکلات کا حل بھی پیش کرتی ہے جس پر کہ امن عالم کی بنیاد ہے۔

ہر شخص کی ضروریات زندگی کا انتظام بذمہ حکومت

اسلامی نظام میں اس بات کی بھی گنجائش موجود ہے۔ کہ ہر شخص کی کم از کم ضروریات زندگی کا انتظام حکومت کرے۔ اور اسلامی تاریخ اس بات کی شاہد ہے۔ کہ اسلام کے خلیفہ ثانی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں اس غرض کے لئے سب سے اول مردم شماری کا طریق جاری کیا گیا۔ تا ملک میں کوئی شخص ایسا نہ رہ جائے۔ جسے روٹی اور کپڑا نہ میسر ہو۔ ایسے کمزور لوگ جو کسی بیماری یا جسمانی نقص کے باعث خود اپنی ضروریات زندگی کو پورا نہ کر سکتے ہوں۔ ان کی واجبی ضروریات خوراک لباس اور مکان وغیرہ کو پورا کرنا حکومت کے انتظام کا ایک لازمی حصہ ہے۔ کیونکہ اسلام کے نزدیک حکومت دنیا میں رزاق واحد کی نمائندہ ہے۔ اس لئے اس کا فرض ہو جاتا ہے کہ وہ ایسے ضعیف اور نادار لوگوں کی متکفل ہو۔ جو اپنی خواہش اور کوشش کے باوجود مناسب آمدنی پیدا کرنے کی طاقت نہیں رکھتے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ کے نزدیک جو کہ امیروں و غریبوں کا واحد خدا ہے یہ امر پسندیدہ نہیں ہے۔ کہ دنیا کا ایک حصہ خوشحالی کی زندگی بسر کرے اور دوسرا حصہ اقل ترین ضروریات زندگی کا بھی محتاج رہے۔ اسی طرح اسلامی نظام حکومت خلافت کی زیر نگرانی ہر فرد بشر کی ضروریات زندگی کو پورا کرنے کا ذمہ دار ہے۔

دنیا کی اقتصادی و معاشرتی مشکلات کا حل اسلام میں

پس خلاصہ کلام یہ ہے۔ کہ دنیا کی اقتصادی اور معاشرتی مشکلات کا حل نہ ہی تو سرمایہ داری کے فرسودہ مادی نظام میں ہے۔ اور نہ ہی اشتراکیت کا نظام ان کا حقیقی حل بتاتا ہے اور نہ ہی کوئی نظریہ حیات دنیا کی بڑھتی ہوئی بے چینی کے لئے تسلی بخش تجاویز پیش کرتا ہے۔ صرف اور صرف اسلام کی سچی اور کامل تعلیم ہی ایسی ہے۔ جو ہمیں دنیا کے اقتصادی اور معاشرتی مسائل کا حل تلاش کرنے کی طرف راہنمائی کرتی ہے۔ اسلام کا اقتصادی نظام روحانی بنیادوں پر دولت جمع کرنے کے محرکات کو روکتا ہے جمع شدہ روپیہ کو غرباء کی ضروریات پر خرچ کرنے کی تحریک کرتا ہے۔ انسان کی انفرادی آزادی کو قائم رکھتے ہوئے اجتماعی ترقی کے سامان پیدا کرتا ہے۔ اور دولت پیدا کرنے کے قدرتی وسائل کو سب کے لئے کھلا رکھنے کے بعد بھی امارت و غربت میں جو فرق باقی رہ جاتا ہے۔ اسے طوعی اور حکیمانہ طریق سے مٹانے کی کوشش کرتا ہے

نظام وصیت

موجودہ مالی دور کی کشمکش میں جبکہ انسان کی روحانی آنکھوں کے سامنے ظلمت کے پردے چھا چکے ہیں۔ اور وہ اپنے پریشان اور متضاد افکار و نظریات کی بے راہ روی میں اپنی مشکلات کا حل تلاش کرنے سے عاجز آ چکا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے وعدہ اور تقدیر کے مطابق دنیا کی حقیقی بہتری اور راہنمائی کے لئے اور اسلام کی فراموش شدہ تعلیم کے احیاء کی غرض سے اس زمانہ میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مبعوث فرمایا۔ خدا کے اس فرستادہ نے اسلام کے خوبصورت چہرہ کو از سر نو دنیا کے سامنے نمایاں کر کے ایک نئے آسمان اور ایک نئی زمین کی خوشخبری سنائی۔ اور موجودہ زمانہ کے حالات اور اس کی ضروریات کے مدنظر اسلام کے اقتصادی نظریہ کو "نظام وصیت" کے رنگ میں ظاہر فرمایا۔ جس کا مفہوم یہ ہے کہ دنیا کا ہر احمدی اپنی آمدن اور جائداد کے دسویں حصہ سے ایک تہائی حصہ تک وصیت کر کے اس فنڈ میں ادا کرے۔ تا اس فنڈ سے جو کہ بین الاقوامی حیثیت کا ہو گا۔ دنیا کے تمام غرباء کی ضروریات پوری کی جا سکیں۔ گو آج اس نظام کی پوزیشن دنیا کے دیگر نظاموں کے مقابل پر ایک بیج کی مانند ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے وعدوں کے مطابق یہ امر یقینی ہے۔ کہ جماعت کی ترقی کے ساتھ ساتھ نظام وصیت ایک عالمگیر نظام کی شکل اختیار کرے گا۔ اور یہی نظام دنیا کے اقتصاد اور تمدن کے لئے پختہ بنیاد کا کام دے گا۔ جس سے دنیا کی مشکلات کا حل ہو سکے گا۔

مبارک ہیں وہ جو اس نظام کی مضبوطی میں عملی حصہ لے کر اللہ تعالیٰ کے فضلوں کے وارث بنتے ہیں اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس بات کی توفیق عطا فرمائے۔ کہ ہم جو دین کو دنیا پر مقدم رکھنے کا عہد کر کے سلسلہ احمدیہ میں داخل ہوئے ہیں۔ اپنے عہد کو پوری ذمہ داری کے ساتھ ایفاء کرتے ہوئے احمدیت اور اسلام کی کامیابی کے دن کو قریب سے قریب تر لانے والے بنیں۔ تا اسلام کا اقتصادی نظام جلد از جلد پوری شان کے ساتھ رائج ہو کر دنیا کی مشکلات اور پریشانیوں کو دور کرنے کا باعث بنے۔ آمین۔

ڈھونڈو وہ راہ جس سے دل و سینہ پاک ہو

(کلام حضرت مسیح موعود علیہ السلام بانی سلسلہ احمدیہ)

اے حُبِّ جاہ والو! یہ رہنے کی جا نہیں ۔۔ اس میں تو پہلے لوگوں سے کوئی رہا نہیں

دیکھو تو جا کے اُن کے مقابر کو اِک نظر ۔۔ سوچو کہ اب سلف ہیں تمہارے گئے کدھر

اِک دن وہی مقام تمہارا مقام ہے ۔۔ اِک دن یہ صبح زندگی کی تم پہ شام ہے

اِک دن تمہارا لوگ جنازہ اُٹھائیں گے ۔۔ پھر دفن کر کے گھر میں تاسف سے آئیں گے

اے لوگو! عیشِ دنیا کو ہرگز وفا نہیں ۔۔ کیا تم کو خوفِ مرگ و خیالِ فنا نہیں

سوچو کہ باپ دادے تمہارے کدھر گئے ۔۔ کس نے بلا لیا وہ سبھی کیوں گذر گئے

وہ دن بھی ایک دن تمہیں یارو نصیب ہے ۔۔ خوش مت رہو کہ کوچ کی نوبت قریب ہے

ڈھونڈو وہ راہ جس سے دل و سینہ پاک ہو ۔۔ نفسِ دنی خدا کی اطاعت میں خاک ہو

اِنسانی زندگی کا مقصد
اور
اسکے حصول کے ذرائع

از مکرم مولانا محمد تسلیم صاحب فاضل مبلغ سلسلہ عالیہ احمدیہ نیل کلکتہ

فارسی زبان کا مشہور مقولہ ہے کہ ؎
"ہر کسے را بہر کارے ساختند"
یعنی کائنات عالم کا ہر ذرہ کوئی نہ کوئی مقصد حیات ضرور رکھتا ہے۔ اور بات بھی سچی ہے کیونکہ اگر یہ کون ومکان از خود نہیں۔ بلکہ خالق قدرت کی تخلیق ہیں۔ اور یقیناً ہیں۔ تو یہ تسلیم کئے بغیر چارہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کوئی ایسی چیز نہیں بنائی جس کی کوئی علت غائی نہ ہو۔ چنانچہ جن لوگوں نے انبیاءؑ کے ذریعہ ملنے والے الٰہی پروگرام کا انکار کیا اور اپنے لئے خود ساختہ طریقۂ عمل تجویز کرنا چاہا۔ ان کو اللہ تعالیٰ ان الفاظ میں سرزنش کرتا ہے۔
"مالکم لا ترجون للّٰہ وقارا"
یعنی تمہیں کیا ہو گیا ہے۔ کہ تم اللہ تعالیٰ کو بے وقار سمجھتے ہو کہ اس نے تمہیں پیدا تو کر دیا مگر تمہاری زندگی کا کوئی مقصد و مدعا تجویز نہ فرمایا۔ حالانکہ جب دنیا کی حقیر سے حقیر چیز بھی کوئی نہ کوئی مقصدِ حیات ضرور رکھتی ہے۔ تو انسان جو اشرف المخلوقات ہے وہ تو بدرجۂ اولیٰ کسی بلند و بالا اور اہم ترین غرض کے لئے خلعت وجود پہن کر آیا ہے۔
مزید برآں یہ بھی طے شدہ ہے۔ کہ چونکہ انسان اپنے وجود کا خود خالق نہیں ہے۔ بلکہ وہ اس شعر کا مصداق ہے کہ ؎
لائی حیات آئے قضا لے چلی چلے
اپنی خوشی سے آئے نہ اپنی خوشی چلے
اس لئے خالق و مالک ہی اس مقصدِ عظیم کی تعیین کر سکتا ہے۔ چنانچہ قرآن کریم میں ارشاد باری ہے۔
وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون۔
جس کا مطلب یہ ہے کہ انسان کو صرف اس لئے پیدا کیا گیا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا عبد بنے یعنی اپنے مالک و آقا کے رنگ میں رنگین ہو جائے۔ اور حدیث میں بھی ایسا ہی آیا ہے کہ تخلقوا باخلاق اللّٰہ یعنی اللہ تعالیٰ کے اخلاق و عادات اختیار کرو تاکہ اس ذات باری کے مظہر بن سکو۔ اسی طرح حدیث قدسی میں آیا ہے کہ
كُنْتُ كَنْزًا مَخْفِيًّا فَأَحْبَبْتُ
أَنْ أُعْرَفَ فَخَلَقْتُ الْخَلْقَ

یعنی اللہ تعالیٰ نے ایک مخفی خزانہ تھا۔ اور جب اس نے چاہا کہ وہ پہچانا جائے تو اس نے مخلوق کو پیدا کیا۔ تا کائنات کی ہر چیز آئینہ حق نما ثابت ہو۔ اور چونکہ انسان اشرف المخلوقات ہے اس لئے اس پر حق نمائی کی ذمہ داری سب سے بڑھ کر عائد ہوتی ہے۔
اب رہا یہ سوال کہ اس مقصد عظیم کے حصول کا ذریعہ کیا ہے۔ اور انسان کس طرح مظہر خدا بن سکتا ہے تو اس کے لئے چند طریقے ذیل میں درج کئے جاتے ہیں۔

پہلا طریقہ

یہ مقصد عظیم کہ انسان خدا نما بن جائے۔ اس کے حصول کا پہلا طریقہ یہ ہے کہ انسان صحیح طور پر اللہ تعالیٰ کو پہچانے اور اس پر ایمان لا کر اس میں فنا ہو جائے۔ اور "ان صلاتی ونسکی ومحیای ومماتی للّٰہ رب العٰلمین" کا مصداق بن جائے۔ کیونکہ اگر اس کا پہلا قدم ہی غلط اٹھ گیا اور وہ اللہ تعالیٰ کو شناخت کرنے کی بجائے کسی غیر اللہ کا شکار ہو گیا تو وہ اپنی زندگی کے مقصد عظیم سے محروم رہ جائے گا۔ سچ ہے کہ ؎
خشت اول چوں نہد معمار کج
تا ثریا میرود دیوار کج

دوسرا ذریعہ

خدا یابی کا دوسرا ذریعہ یہ ہے کہ انسان کو اللہ تعالیٰ کے حسن و جمال پر پوری پوری اطلاع ہو جائے۔ تا وہ اللہ تعالیٰ کا عاشق صادق بن جائے۔ اور دنیا کا کوئی ابتلاء اس کی راہ میں حائل نہ ہونے پائے۔ ورنہ اس معرفت کاملہ کے بغیر انسان خدا تعالیٰ کی راہ میں گامزن نہیں رہ سکتا کیونکہ ؎
کی بہر کسے سر نہد جاں نہ فشاند
عشق است کہ ایں کار بصد صدق کناند

تیسرا ذریعہ

خدا نمائی کا مقام حاصل کرنے کا تیسرا ذریعہ یہ ہے۔ کہ انسان علیٰ وجہ البصیرت اللہ تعالیٰ کے احسان کا شعور رکھتا ہو۔ کیونکہ احسان اور اس کی قدر شناسی محسن اور احسان مند دونوں کو ایک دوسرے سے دائمی اور غیر معمولی وابستگی بخشتے ہیں اور یہ ایسا ناطہ ہے جو کسی طرح شکست و ریخت کا شکار نہیں ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں فرمایا ہے۔ وان تعدوا نعمۃ اللّٰہ لا تحصوھا۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شمار ناممکن ہے۔ پس جب ایک انسان اپنے تئیں اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں محصور پائے گا۔ تو خواہ مخواہ اس کا دل اپنے محسن کی محبت میں گداز ہو گا۔ اور وہ وصال الٰہی کے لئے بیقرار و بے چین رہے گا۔

چوتھا ذریعہ

چوتھا ذریعہ جس سے اللہ تعالیٰ کا قرب اور وصال میسر آ سکتا ہے یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کو پہچانے اس کے حسن و جمال پر اطلاع پانے اور اس کے احسانات کو یاد کرنے کے بعد دعاؤں میں لگا رہے۔ اور دعائیں بھی ایسی کہ جن میں انتہائی سوز اور گداز پایا جائے جس طرح ایک شیرخوار بچہ بھوک سے بے تاب ہو کر روتا اور بلبلاتا ہے۔ تا آنکہ اس کی ماں وفور محبت سے بے چین ہو کر اسے چھاتی سے لگا لیتی ہے بالکل اسی طرح انسان فطرتی جوش میں آ کر اللہ تعالیٰ کے آستانے پر سربسجود ہو جائے۔ اور بمصداق "جو منگے سو مر رہے مرے سو منگن جائے" ایک گداگر کی طرح دھونی رما کر بیٹھ جائے۔ تا آنکہ مادر مہربان کی مانند عنایت ازلی اس کی جھولی کو گوہر مراد سے پر کر دے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے کیا ہی سچ فرمایا ہے کہ ؎
آں تو جہا کہ خلق ازو سے بدید
کس ندیدہ در جہاں اندا درے

پانچواں ذریعہ

پانچواں ذریعہ جو مقصود اصلی اور گوہر مراد کو پانے کے لئے ضروری ہے یہ ہے کہ انسان مجاہدات سے کام لے یعنی اللہ تعالیٰ کی راہ میں بوقت ضرورت کسی قربانی سے دریغ نہ کرے۔ جان کی ضرورت ہو تو جان حاضر کر دے اور مال درکار ہو تو مال نثار کر دے۔ اسی طرح اپنی عزت و آبرو بلکہ اپنی ہر طاقت کو خدا کی راہ میں قربان کرنے کے واسطے ہر وقت آمادہ اور تیار رہے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ "جاھدوا باموالکم وانفسکم" پھر فرمایا "ومما رزقناھم ینفقون" یعنی اپنے مالوں، جانوں اور جملہ طاقتوں کو خدا تعالیٰ کی راہ میں صرف کر دو۔ تاکہ تمہاری قربانیاں دیکھ کر رب شکور ذرہ نوازی کو کام فرمائے۔ اور تمہیں اپنے قرب و وصال سے بہرہ مند کرے۔

چھٹا ذریعہ

چھٹا ذریعہ جو قرب الٰہی کا کفیل ہے یہ ہے کہ انسان ان مجاہدات سے تھکنے نہیں پائے۔ بلکہ اسے تئیں ورطۂ حوادث میں محصور پا کر بھی صدق و ثبات اور استقلال کا دامن نہ چھوڑے اور "الاستقامۃ فوق الکرامۃ" کے مقولہ کو سچ کر دکھائے۔ ورنہ چند روزہ شورا شوری کے بعد سراسر بے تکی کا مظاہرہ انسان کو اللہ تعالیٰ سے بہت دور پھینک دیتا ہے۔

ساتواں ذریعہ

انسانی زندگی کے مقصد کو پانے کے لئے ساتواں ذریعہ یہ ہے کہ انسان صحبت صالحین، راستبازوں کی ہمنشینی اور کامل نمونوں کے فیوض و برکات سے متمتع ہوتا رہے۔ چونکہ انسان طبعی طور پر کامل نمونہ کا محتاج ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ ہمیشہ اپنے نبیوں کو بطور نمونہ دنیا میں مبعوث فرماتا رہا ہے اسی لئے اللہ تعالیٰ نے تاکید فرمائی ہے کہ "کونوا مع الصادقین" نیز فرمایا "اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیھم" یعنی ہمیشہ راستبازوں کی صحبت اختیار کرو۔ اور ان لوگوں کی راہ پکڑو۔ جو اللہ تعالیٰ کے انعامات کے مورد ہوئے۔ چنانچہ کہاوت مشہور ہے کہ لکڑی کے ساتھ لوہا بھی تیر جاتا ہے۔ سچ ہے ؎
صحبت صالح ترا صالح کند
صحبت طالح ترا طالح کند

آٹھواں ذریعہ

انسانی زندگی کے مقصد کو حاصل کرنے کے لئے آٹھواں ذریعہ یہ ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے سچی رہنمائی اور ہدایت کاملہ کے لئے وحی والہام اور کشف و کرامات بہم پہنچتے رہیں۔ تا ایسا نہ ہو کہ مرد مجاہد ہمت ہار دے۔ اور اس نادیدہ راہ میں بھٹک جائے۔ کیونکہ قرب باری اور وصال الٰہی کی راہ دقیق ترین ہے۔ لہٰذا ضروری ہے کہ وقتاً فوقتاً "انا الموجود" کی آواز کان میں پڑتی رہے۔ اور

خداوند عز وجل کی تجلی راستے کی ظلمتوں کو پاش پاش کرتی رہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "لھم البشریٰ فی الحیوۃ الدنیا وفی الآخرۃ" کہ ہم اپنے پرستاروں کو ہمیشہ بشارتیں دیتے رہیں گے

جماعت احمدیہ کی رواداریاں

از جناب ملک صلاح الدین صاحب ایم۔ اے قادیان

وابستگانِ اسلام اس وقت اسلام سے بیگانہ ہیں۔ اسلئے اللہ تعالےٰ نے حضرت مسیح موعود و مہدیٔ معہود علیہ السلام کو مبعوث فرمایا تا وہ مکارمِ اخلاق کو از سر نو دنیا سے اسلام میں قائم کریں۔ آپ کو الہام ہوا۔ یحیی الدین و یقیم الشریعۃ کہ آپ کی بعثت کا مقصود احیاء دین اور اقامت شریعت ہے۔ چنانچہ جس طرح آج سے پونے چودہ سو سال قبل حضرت محمد مصطفےٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام اغیار تک سے رواداری کا سلوک روا رکھتے تھے بعینہٖ یہی اسوہ ہمیں حضرت مہدی علیہ السلام میں نظر آتا ہے۔ چند دن ہوئے ڈلہوزی میں عیسائیوں کے اجتماع کے موقعہ پر چوہدری [illegible] الدین صاحب (وائس چیئرمین پنجاب کونسل) اور ان کے ساتھیوں سے ذکر کیا کہ وفد نجران کے عیسائیوں کو مسجد نبویؐ میں عبادت کی اجازت دے کر ایک عدیم المثال اسوہ قائم کیا۔ حالانکہ موجودہ تہذیب دور میں بھی امریکہ وغیرہ میں ایک ہی مذہب کے پیرو ایک دوسرے کو عبادت گاہوں میں جانے سے روکتے ہیں۔ چوہدری صاحب نے کہا کہ اس کا تو ہمیں بھی تجربہ ہوا ہے تقسیم ملک سے قبل جب قادیان امتحان کا سنٹر یونیورسٹی کی طرف سے مقرر ہوا تو ہم ڈلہوزی کے طلبہ سے کر گئے۔ عیسائی طلبہ نے اتوار کے دن اس فکر مندی کا اظہار کیا کہ اب وہ عبادت کہاں کریں۔ آپ احمدیوں میں سے کسی نے سنکر کہا کہ یہ کونسی نا قابلِ حل مشکل ہے۔ مسجد نور جو قریب ہے حاضر ہے۔ چنانچہ ہم نے وہاں اپنی عبادت کی۔

یہ ایک ناقابلِ تغلیط حقیقت ہے کہ اس زمانہ میں جماعت احمدیہ کے افراد جہاں بھی پائے جاتے ہیں بے لوث خدمت خلق کے جذبہ سے سرشار نظر آتے ہیں۔ تقسیم ملک سے قبل پشاور میں سنی شیعہ تنازعہ نے خطرناک صورت اختیار کر لی تھی۔ دونوں فریق کے اشخاص کو نقصان پہنچا۔ حضرت امام جماعت احمدیہ نے دونوں مصیبت زدہ افراد کی مالی مدد کی ۱۹۴۷ء میں نواکھلی میں ایک طبقہ کو نقصان پہنچا۔ اور مسٹر گاندھی جی وہاں پیدل دورہ پر روانہ ہوئے۔ اس موقعہ پر بھی حضرت امام جماعت احمدیہ نے پانچ ہزار روپیہ ارسال فرمایا تا غیر مسلموں کی دلشکنی نہ ہو۔ اور گاندھی جی نے شکریہ کی چٹھی کے ساتھ رقم واپس [illegible] فرمائی۔ بعد ازاں علاقہ بہار میں شدید [illegible] مسلم فسادات ہوئے۔ اس موقعہ پر مسلمانوں کو بہت سا مالی نقصان پہنچا۔ حضرت ممدوح نے ایک وفد مالی و طبی امداد کے لئے بھجوایا۔ اور اس نے لوگوں کو کافی فائدہ پہنچایا۔

۱۹۵۵ء میں ضلع گورداسپور میں شدید سیلاب آیا اور تین دن تک کے لئے یہ ضلع ساری دنیا سے منقطع رہا۔ خود شہر بٹالہ میں چھ چھ سات سات فٹ پانی بہتا رہا۔ اس سیلاب اور مسلسل ساٹھ گھنٹے کی بارش سے احمدیہ محلہ قادیان کے مکانات کو شدید نقصان پہنچا۔ جس کی مرمت ابھی تک مکمل ہونے نہیں پائی۔ باوجود اس کے قریب کے بیٹ کے علاقہ میں جماعت کے نوجوانوں نے ایک تنظیم کے ماتحت ہزاروں روپے کے ٹیکے۔ ادویہ۔ اناج اور پارچات تقسیم کئے۔ ان دیہات میں سے کئی ایسے تھے۔ کہ جہاں اس وقت تک سرکار کی طرف سے کوئی کارکن تک نہ پہنچا تھا۔ بعض دیہات کے لوگوں کو ایک نرکھان بلا معاوضہ دیا۔ تا وہ اپنے ہل مرمت کروالیں۔ خود قادیان میں قابلِ قدر امداد دی۔

نہ صرف یہ کہ غیر مسلم بیواؤں اور یتیموں کو تقسیم ملک سے قبل بھی امداد دی جاتی تھی۔ بلکہ یہ سلسلہ اب بھی جاری ہے۔ قادیان کے اردگرد کے گوردواروں کی تعمیر کے مواقع پر مالی امداد بھی کی جاتی تھی۔ غیر مسلم طلباء کی مالی امداد کی جاتی تھی۔ ان کے جذبات کا ہمیشہ خیال رکھا جاتا تھا۔ یہاں تک کہ ان کے جذبات کی خاطر احمدیوں کو ان کے جائز حقوق سے بھی روکا جاتا تھا۔

تقسیم ملک کے موقع پر دونوں ممالک میں خونریزی ہوئی۔ اس کی ذمہ داری یقیناً اعلےٰ درجہ کے لیڈروں پر نہیں غنڈہ گردی جب شروع ہو جائے۔ تو اس کی روک تھام ناممکن سی ہو جاتی ہے۔ اور اس وقت ابھی حکومتیں دونوں ملکوں میں نئی نئی آئی تھیں۔ اور اربابِ حل و عقد ابھی کام نہ سنبھال پائے تھے۔ اور تبادلۂ آبادی کے باعث علاقہ کے معروف فتنہ ساز تبدیل ہو کر غیر معروف فتنہ انگیز آ گئے تھے۔ اس لئے اپنے فتن کا انسداد کٹھن ہو رہا تھا۔ ان حالات میں بھی حضرت امام جماعت احمدیہ نے جماعت کو ہر ایک قسم کی شر انگیزی سے سختی سے روک دیا اور جس قسم کا نمونہ جماعت احمدیہ نے دکھایا وہ اپنی مثال آپ ہے۔ ایسے احمدیوں نے جن کے سینکڑوں اقارب بلکہ اقارب کے گاؤں کے گاؤں مشرقی پنجاب میں تباہ کر دیئے گئے تھے۔ ایسے احمدیوں نے بھی احمدیت کی تعلیم کے باعث پاکستان پہنچ کر غیر مسلموں کی ہر طرح حفاظت کی۔ ان کے اموال کی حفاظت کر کے ان کے پاس کیمپوں تک پہنچائے اور اگر وہاں روپیہ رہ گیا تھا۔ تو ان کا روپیہ یہاں بھجوایا۔ ہمارے پاس جو تھوڑے سے بہت کوائف آ سکے ہیں۔ ان کی رو سے بھی کم و بیش نصف لاکھ اشخاص کی احمدیوں نے مدد کی۔

علاوہ ازیں غیر مسلم عورتوں بچوں کو پاکستان سے ہندوستان بھجوانے اور مسلمان عورتوں اور بچوں کو ہندوستان سے پاکستان بھجوانے میں بھی جماعت احمدیہ قادیان و پاکستان نے نہایت قابلِ قدر خدمات سر انجام دی ہیں۔ ہمارے پاس ڈپٹی ہائی کمشنر فار انڈیا متعین لاہور کی چٹھی موجود ہے۔ جس میں انہوں نے شکریہ ادا کیا ہے کہ ہم نے جو ایک سکھ کے بیوی بچوں کے سندھ میں ہونے کی اطلاع دی تھی وہ بالکل صحیح نکلی۔ اور اس کے بیوی بچوں کو یہاں بھجوا دیا گیا۔ (اب وہ قادیان کے قریب ہی سکونت پذیر ہیں)

بہت سے غیر مسلموں کو اراضی کی فردوں۔ ڈاکخانہ جات کی تصدیقوں اور رجسٹریوں کی نقول کی ضرورت تھی جن کے نہ ہونے کے باعث ان کو مالی طور پر نقصان پہنچ رہا تھا۔ چنانچہ ایسی ضروری دستاویز بھی ان کو مہیا کر کے دی گئیں۔ تا کہ ان کی مالی پریشانی دور ہو۔

ہم اس امر کے قائل نہیں۔ کہ جب کوئی مصیبت میں ہو تو اس کا مذہب تبدیل کرایا جائے۔ قرآن نے لا اکراہ فی الدین کا اصول اصل بیان فرمایا ہے کہ دین کے بارہ میں کسی قسم کا ناجائز جبر نہیں ہونا چاہیئے۔ چنانچہ ۱۹۴۷ء میں جب مصیبت کے مارے مسلمان نواحی علاقہ سے قادیان میں جمع ہو رہے تھے اس وقت کسی کی بیعت حضرت امام جماعت احمدیہ ایدہ اللہ تعالےٰ قبول نہ فرماتے تھے۔ اسی طرح جماعت احمدیہ قادیان نے یہ بھی کوشش کی کہ اگر تقسیم ملک کے بعد کوئی مسلمان مجبوری حالات اسلام کو ترک کر چکا ہے تو اس کے حالات سازگار کر کے پھر اسلام میں لایا جاسکے۔ اور در اصل اس سیکولر حکومت میں مذہب کے بارہ میں کسی قسم کا جبر نہیں اور اپنے مذہب پر عمل کرنے کی ہر طرح کی آزادی حاصل ہے۔

۱۹۵۹ء میں جب چمبہ میں وزیر اعظم پنڈت نہرو صاحب تشریف لائے تو خاکسار نے ان کی خدمت میں ایک چٹھی بھیجی کہ اس علاقہ کے مسلمانوں کی اولاد اپنے مذہب کی کتب پڑھنے سے محروم ہو رہی ہے کیونکہ ایسی سب کتب اردو میں ہیں۔ اور اردو کی تعلیم کا یہاں کوئی انتظام نہیں۔ پنڈت جی نے کمال مہربانی سے اسی وقت حکم دیدیا کہ اردو سکول میں پڑھائی جاسکے۔ اور بعد ازاں تحریراً حکم بھی بھجوا دیا۔ چنانچہ اب وہاں اردو مدرس ایک دوست مرزا محمود بیگ صاحب گذشتہ سال سے مقرر ہو چکے ہیں یقیناً یہ امر وہاں کے مسلمانوں کے لئے ایک بہت ہی مفید امر ہے۔

حدیث نبویؐ میں آتا ہے کہ قیامت کے روز اللہ تعالےٰ نیکوکاروں کو فرمائے گا کہ میں تمہارے پاس بھوکا پیاسا۔ بیمار اور ننگا آیا۔ تم نے میری خدمت کی۔ اور اصحٰب الجحیم کو فرمائے گا۔ کہ ایسی حالت میں تم نے میری خدمت نہ کی۔ اور دونوں گروہوں کے کہنے پر اے خدا تیری ذات تو بھوکا پیاسا۔ بیمار اور ننگا ہونے سے پاک ہے فرمائے گا۔ کہ میرے بھوکے پیاسے۔ ننگے بندے تمہارے پاس آئے۔ ان کی خدمت اور عدم خدمت گویا میری خدمت یا عدم خدمت ہی ہے۔ حدیث نبویؐ میں یہ بھی وارد ہے کہ الخلق عیال اللہ کہ مخلوق اللہ تعالیٰ کی عیال ہے۔ ان احادیث سے خدمت خلق کا بڑا درجہ ثابت ہے۔ اور یہ خدمت تبھی خدمت حقیقی کہلا سکتی ہے جب اسکے پس پردہ ذاتی اغراض پنہاں نہ ہوں بعض دوسرے گروہ بھی خدمت کرتے ہیں۔ لیکن ان کے سیاسی یا سماجی ذاتی مقاصد ہوتے ہیں۔ جماعت احمدیہ نے پارلیمان ممبری کیلئے۔ نہ اسمبلی کی کسی سیٹ کے لئے نہ ڈسٹرکٹ بورڈ کی نامزدگی کیلئے خدمت خلق کرتی ہے۔ آپنے ریڈیو پر سنا ہوگا۔ کہ امسال پاکستان میں شدید سیلاب میں خدام الاحمدیہ نے اپنے ذاتی نقصانات کا خیال کئے بغیر دوسروں کو بچایا تھے۔ ان کے اموال نکالنے کی فکر کی۔ وہ پل جس کے بچاؤ کیلئے مزدور اُجرت پہ کام نہ کرتے تھے اہالیانِ ربوہ نے ایک دن میں اسکے وسیع و عریض شگاف کو بے سعی و پرُ کر دیا۔ ایک میل لمبی عارضی سڑک تیار کر دی وغیرہ اور کئی سالوں سے لاہور۔ سیالکوٹ۔ ملتان۔ ڈیرہ غازیخان وغیرہ میں سیلابوں کے مواقع پر ایسی خدمات بجا لائی جاتی ہے۔ ڈاکٹر اقبال نے کیا سچ کہا تھا کہ

"اگر ٹھیٹھ اسلامی سیرت کا نمونہ دیکھنا چاہو تو جماعت احمدیہ میں دیکھو"

آنحضرت صلعم اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر خدمت خلق کرتے تھے۔ چنانچہ حضرت خدیجہؓ نے آپ کے اخلاق کثیر و فاضلہ گنواتے ہوئے بتایا ہے کہ جو بوجھ اٹھانے کے قابل ہیں۔ آپ ان کا بوجھ اٹھاتے ہیں ۔ آپ مہمان نواز ہیں۔ جن کو حق کی خاطر تکالیف پہنچتی ہے آپ انکی اعانت فرماتے ہیں۔ اسلئے خدا کی قسم اللہ تعالےٰ آپ کو ہرگز ضائع نہ کریگا۔ سوم یہ بھی فرض ہے کہ ہم حسبۃً للہ خدمت خلق بھی کرتے رہیں احد اسکی [illegible]

دسہرہ۔ اور ہمارا جلسہ سالانہ

از مکرم مولوی سمیع اللہ صاحب انچارج احمدیہ مسلم مشن بمبئی

ہے رام کے وجود پر ہندوستان کو ناز
اہلِ نظر سمجھتے ہیں اس کو امام ہند

یہ بھی ہمارے ملک و وطن کے لئے فال نیک ہے کہ ہمارا سالانہ جلسہ اور برادرانِ وطن کا تہوار دسہرہ ایک ہی مہینہ میں منایا جا رہا ہے۔ دسہرہ حق و باطل کے ایک ایسے معرکہ کی یادگار ہے جو اُس عہد کی طاغوتی طاقتوں کے خلاف ہوا تھا۔ اس یادگار نے ہمارے سامنے اخلاص۔ اخوت اور حق پرستی کے عدیم المثال نمونے پیش کئے ہیں مہاراجہ رامچندر جی نے محض اس خیال سے کہ ہمارا باپ عہد شکن ثابت نہ ہو۔ اپنے کو سوتیلی ماں کے تیرِ عداوت کا ہدف بنایا۔ اور دس سال تک جلاوطنی کے مصائب کا مقابلہ کیا۔

ضرورتِ رام اگر دنیا آج بھی اُس عہد کی تاریخ کے اُس صفحہ کا مطالعہ کرے جس میں مہاراجہ رام چندر جی کے کارنامے درج ہیں۔ تو معلوم ہوگا کہ دنیا میں آج بھی حسد و عداوت پیمان شکنی اور باطل پرستی کا راج ہے اور اس عہد میں بھی اخلاقی و روحانی انقلاب برپا کرنے کے لئے ایک رام کی ضرورت ہے۔

حیاتِ رام کہتے ہیں کہ راجہ رامچندر جی ایک حسین۔ خوش قامت وجیہہ نوجوان تھے۔ ان کے والد محترم کا نام راجہ دشرتھ تھا۔ اور والدہ ماجدہ کوشلیا کہلاتی تھیں۔ راجہ دشرتھ سورج بنسی خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ اور مملکت اودھ کے والی تھے اجودھیا آپ کا دارالسلطنت تھا۔ مہاراجہ دشرتھ کی متعدد بیویاں تھیں۔ بھرت۔ شتروہن اور لکشمن رام چندر جی کے سوتیلے بھائی تھے۔

وداعِ ہجرت مہاراجہ رام چندر جی کی شادی متھلا پور (بہار) کے راجہ جنک کی منہ بولی بیٹی سیتا دیوی سے ہوئی۔ وہ بھی صورت و سیرت میں نظیر نہیں رکھتی تھیں۔ رامچندر جی کی سوتیلی ماں کیکئی اپنے بیٹے بھرت کو اودھ کا مالک بنانا چاہتی تھیں۔ مگر اہل مملکت کی نظر انتخاب مہاراجہ رامچندر جی پر پڑتی تھی۔ کیکئی نے ایک مرتبہ مہاراجہ دشرتھ کے دل پر فتح پائی تھی۔ اور ان سے اپنی ایک آرزو پوری کرنے کا وعدہ لیا تھا۔ کیکئی نے ٹھیک اُس وقت جب رام چندر جی ولی عہد سلطنت منتخب ہونے والے تھے۔ راجہ دشرتھ سے مطالبہ کیا کہ وہ میری آرزو پوری کرے۔ بھرت کو تاج و تخت کا وارث بنائے۔ اور رام چندر جی کو جلاوطن کرے۔ مہاراجہ دشرتھ پہلے ہی قول ہار چکے تھے۔ کیکئی کا مطالبہ ماننا پڑا۔ رام چندر جی نے مہارانی سیتا دیوی اور لکشمن کے ساتھ جنگل کی راہ لی۔ اور چتر کوٹ میں قیام کیا۔

راون لنکا کا راجہ جس کا خطاب راون تھا۔ اس کو رام چندر جی اور سیتا جی کے چتر کوٹ آنے کی خبر ملی۔ تو اُس نے سیتا جی کے اغوا کا ارادہ کیا۔ بعض لوگ کہتے ہیں۔ کہ سیتا راون کی بہن یا بیٹی تھیں اور ان کو سیتا کا رام چندر جی کے ساتھ رشتہ نامنظور تھا۔ اس لئے یہ حرکت کی۔ واللہ اعلم بالصواب۔ ایک دن موقعہ پاکر راون سیتا جی کو لے بھاگا۔ رام چندر جی نے سیتا جی کی بازیابی اور راون جیسے بدکردار کو تباہ کرنے کا ارادہ کیا۔ مہاراجہ سگریو والی کشکندہ نے اپنی فوج رام چندر جی کے حوالے کی۔ رامچندر جی نے لنکا پر فوج کشی کی۔ اور راجہ سگریو کے سپہ سالار ہنومان جی نے نہایت حکمت و دانائی سے اپنی فوج لنکا میں اتار دی۔ اور لنکا کو تاخت و تاراج کیا۔ رام چندر جی کی فتح ہوئی۔ سیتا دیوی دوبارہ رامچندر جی کو ملیں۔ رام چندر جی نے راون کے ایک نیک دل بھائی بھبیکھشن کو لنکا کا راجہ بنایا۔

بھرت ملاپ اس کے بعد جلاوطنی کی مدت ختم ہوگئی۔ راجہ رام چندر جی نے اجودھیا لوٹنے کا ارادہ کیا۔ اہلِ اجودھیا کو جب اس کی خبر ملی تو سارے شہر میں چراغاں کیا گیا۔ اور گھر گھر خوشی منائی گئی۔ بھرت جی خود رامچندر جی کے استقبال کو بڑھے۔ انہیں راج بھون لائے۔ اور تاج و تخت ان کے سپرد کیا۔ بھرت جی کا قول تھا۔ کہ انہوں نے اتنے دن رام چندر جی کے نائب کی حیثیت سے اجودھیا کا راج پاٹ چلایا ہے۔ وہ رام چندر جی کے کھڑاؤں راج گدی پر رکھ کے نیچے راج چلانے بیٹھا کرتے تھے۔ واقعی برادرانہ تعلقات اور حق شناسی کی یہ مثال اب کہاں؟

اجودھیا رامائن میں رام چندر جی کے اجودھیا کا جو نقشہ کھینچا گیا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بڑا متمدن اور خوشنما شہر تھا۔ اور شہر کے تمام طبقے خوشحال و آسودہ معاش تھے۔ سبھوں کی اقتصادی حالت اچھی تھی۔ آج وہ اجودھیا اُجڑ گیا۔ صرف راجہ رام چندر جی کے محل کے کھنڈر باقی ہیں۔ جن کے گرد آج بھی عقیدت مند لوگ طواف کیا کرتے ہیں۔

پُرامن جہاد دسہرے کا نام سنتے ہی بجلی کی طرح سارے واقعات ذہن میں آجاتے ہیں۔ بھارت کے طول و عرض میں اسی واقعہ کی یاد مناتے ہوئے رام بھرت ملاپ کی خوشی منائی جاتی ہے اور بدکاروں سے اظہار نفرت کرتے ہوئے راون کے مجسمہ کو آگ لگائی جاتی ہے۔ مگر کیا صرف ظاہری یادگار منانا کافی ہے؟ نہیں۔ بلکہ آج بھی حقیقی طور پر ساری دنیا میں پھیلی ہوئی بُرائی اور بدکاری کے خلاف پُرامن جہاد کرنے کی ضرورت ہے۔

راون پرستی یہ بھی زمانہ کی کیا ستم ظریفی ہے کہ جنوبی ہند کا وہ خطہ جسے راجہ رام چندر جی کے بزرگ قدموں نے برکت بخشی۔ اور شرافت و انسانیت کے نور سے منور کیا۔ آج وہاں کچھ راون پرست پیدا ہو گئے ہیں۔ راون سے اظہار عقیدت کیا جا رہا ہے۔ اور مہاراجہ رام چندر جی کی مورتی توڑی جا رہی ہے۔ یہ جہالت و پستی کا ایک گھناؤنا مظاہرہ ہے۔ کیا اس کا یہ مطلب نہیں کہ دنیا میں پھر فرعون۔ ہامان اور راون زندہ ہو گئے ہیں۔ تو کیا انہیں کیفر کردار کو پہنچانے کے لئے اب موسیٰ اور رامچندر جی کی ضرورت نہیں؟ یقیناً ہے۔ اور دسہرا ہر شخص کو رام ہی کی تلاش کی دعوت دینے آتا ہے۔

دسہرا اور ہمارا سالانہ جلسہ یہ ہے دسہرے کی غرض و غایت۔ اب ہم جماعت احمدیہ اور اس کے جلسہ سالانہ کی غرض و غایت دیکھتے ہیں۔ تو اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں۔ کہ یہ جماعت بھی راون سرشت کو مٹانا۔ دنیا میں اخوت قائم کرنا۔ اور حق و راستی کا علم لہرانا اپنا مقصد اولین قرار دیتی ہے۔ اس طرح دونوں کے مقاصد میں مکمل اتحاد و اتفاق ہے۔ اور یہ کتنا مبارک توارد ہے کہ آج دسہرا اور ہمارا جلسہ سالانہ دونوں ساتھ ساتھ منعقد ہو رہے ہیں۔ گویا اب دونوں روحانی طاقتیں ہم نوا و ہم آہنگ ہم دوش ہو کر طاغوتی لشکر کے مقابلہ کو نکلی ہیں۔ خدا نے چاہا تو اب جلد ہی راون تباہ ہوگا۔ اور دنیا پر پھر مہاراجہ رامچندر جی کی روحانی طاقت غالب آ سکے گی؟

اسلامی تہذیب و تمدن

(بقیہ صفحہ ۱۲)

دنیا میں اپنے قدم جمانے کا موقعہ ملا۔ اس نے دیگر اقوام کو ذلیل ہی سمجھا۔ اور عزیب بیکس مفتوح و مغلوب اقوام کو مدنی حقوق سے بھی حصہ نہ ملا۔ مگر اسلام ہی ہے جس نے سب سے پہلے اعلان کیا کہ وہ تمام دنیا کی نجات کیلئے آیا ہے۔ اس کا لایا ہوا پیغام کسی ایک قوم کے لئے نہیں بلکہ کل اقوام کیلئے ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا ہے۔

وما ارسلناك الا كافة للناس بشيرا ونذيرا ولكن اكثر الناس لا يعلمون ويقولون متى هذا الوعد ان كنتم صادقين قل لكم ميعاد يوم لا تستاخرون عنه ساعة ولا تستقدمون (سبا ع ۴)

یعنی اے رسول ہم نے تجھے ساری دنیا کیلئے بشیر و نذیر بنا کر بھیجا ہے اور تیرے ذریعہ سے ہم سب دنیا کو ایک نظام اور ایک تہذیب پر جمع کرنے والے ہیں۔

اسلامی تہذیب کی بنیاد

غرض اسلامی تہذیب کی بنیاد مساوات انسانی اور عالمی اخوت پر رکھی گئی ہے اور اس خصوصیت میں وہ دیگر تمام تہذیبوں سے منفرد ہے اپنے آپ کو مہذب اور اعلےٰ تعلیم یافتہ کہلانے والی اقوام آج بھی اپنے سے کمزور اقوام پر وہ مظالم ڈھا رہی ہیں کہ الامان والحفیظ امریکہ جنوبی افریقہ اور الجزائر میں جو کچھ ہو رہا ہے وہ پوری انسانیت کی تذلیل کے لئے کافی ہے لیکن اسلام نے آکر حبشی غلاموں کو بھی وہ عزت بخشی کہ خلیفۃ المسلمین ان کی دست بوسی کرنا اور اپنی محفل میں انہیں سب سے زیادہ عزت کے مقام پر بٹھانا اپنے لئے باعث فخر خیال کرتے تھے۔ اسلامی تہذیب و تمدن کی یہی خصوصیت تھی جس نے اسے دیگر تمام تہذیبوں سے ممتاز اور بلند تر کر دیا۔ اور وہ اس کے سامنے ہیچ نظر آنے لگیں۔

تہذیب و تمدن کی مختلف شاخیں ہوتی ہیں۔ اسلامی تہذیب و تمدن بھی کئی شاخوں میں منقسم تھا لیکن ان سب کی جڑ عقیدہ توحید تھی جس کے نتیجہ میں عالمگیر مساوات اور اخوت انسانی کا تصور مسلمانوں کے ذہنوں میں پیدا ہوا اور اسی نقطہ نے اسلامی تہذیب و تمدن کو پروان چڑھانے اور دیگر تہذیبوں پر

سلسلہ کی مالی ضروریات

اور

احباب جماعت کا فرض

جماعت احمدیہ کی تبلیغی۔ تربیتی۔ تعلیمی ۔ انتظامی اور دیگر ضروریات کی انجام دہی بیت المال کی آمد پر موقوف ہے۔ اور بیت المال کے ذرائع آمد کا انحصار افراد جماعت کے چندوں پر ہے جماعت احمدیہ کی روز افزوں ترقی اور سلسلہ کی بڑھتی ہوئی ضروریات اس امر کی مقتضی ہیں کہ جماعت کا ہر فرد مالی قربانیوں میں حصہ لے کر اپنے ایمان اور اخلاص کا عملی ثبوت دے

اس وقت جماعت احمدیہ خاص حالات اور غیر معمولی دور میں سے گذر رہی ہے مشکلات اور تکالیف کا یہ دور ہمیں مسلسل غیر معمولی قربانیوں کی دعوت دے رہا ہے ۔ ہمارے اخلاص اور قربانی کا اعلیٰ نمونہ اللہ تعالیٰ کے فضل کو جذب کر کے ہمیں جلد کامیابی اور ترقی کے دروازے تک پہنچا سکتا ہے ۔ اور ہماری معمولی سی کوتاہی اور فرائض سے عدم توجہی اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا موجب بن کر جماعت کی ترقی اور ہماری کامیابی کے دن کو پیچھے ڈال سکتی ہے ۔ احباب جماعت پر مالی قربانیوں کی ضرورت اور اہمیت کو واضح کرنے کے لئے ذیل میں سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اور حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کے چند ارشادات درج کئے جاتے ہیں:۔

سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام "الوصیۃ" صفحہ ۔ میں فرماتے ہیں کہ:۔

"خدا کی رضا کو تم پا ہی نہیں سکتے۔ جبتک تم اپنی رضا کو چھوڑ کر۔ اپنی عزت کو چھوڑ کر۔ اپنا مال چھوڑ کر اپنی جان چھوڑ کر اسکی راہ میں تلخی نہ اٹھاؤ۔ جو موت کا نظارہ تمہارے سامنے پیش کرتی ہے۔ لیکن اگر تم تلخی اٹھا لو گے۔ تو ایک پیارے بچے کی طرح خدا کی گود میں آ جاؤ گے ۔ اور تم ان راستبازوں کے وارث کئے جاؤ گے۔ جو تم سے پہلے گذر چکے ہیں اور ہر ایک نعمت کے دروازے تم پر کھولے جائیں گے۔"

نیز فرمایا "ہر ایک شخص جو اپنے تئیں بیعت شدوں میں داخل سمجھتا ہے۔ اس کے لئے اب وقت ہے کہ اپنے مال سے بھی اس سلسلہ کی خدمت کرے۔ جو شخص ایک پیسہ کی حیثیت رکھتا ہے وہ سلسلہ کے مصارف کے لئے ماہ بماہ ایک پیسہ دیوے۔ اور جو شخص ایک روپیہ دے سکتا ہے۔ وہ ایک روپیہ ماہوار ادا کرے ...... ہر ایک بیعت کنندہ کو بقدر وسعت مدد دینی چاہیئے۔ تا خدا تعالیٰ بھی انہیں مدد دے .... عزیزو! یہ دین کے لئے اور دینی اغراض کے لئے خدمت کا وقت ہے۔ اس وقت کو غنیمت سمجھو۔ کہ پھر کبھی ہاتھ نہیں آئے گا۔ چاہیئے کہ زکوٰۃ دینے والا اسی جگہ اپنی زکوٰۃ بھیجے۔ اور ہر ایک شخص فضولیوں سے اپنے تئیں بچائے۔ اور اس راہ میں روپیہ لگا دے اور بہر حال صدق دکھا دے۔ تا فضل اور روح القدس کا انعام پا دے۔ کیونکہ یہ انعام ان لوگوں کے لئے تیار ہے۔ جو سلسلہ میں داخل ہوئے ہیں۔"

(کشتی نوح صفحہ ۶۴)

حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز فرماتے ہیں:۔

"یاد رکھو۔ مجھے روپیہ کی ضرورت نہیں۔ میں اپنے لئے تم سے کچھ نہیں مانگتا۔ میں خدا کے لئے۔ اس کے دین کی اشاعت کے لئے تم سے مانگ رہا ہوں۔ اگر تم چندے میں حصہ نہیں لو گے۔ تو خدا خود اپنے دین کی ترقی کے سامان کرے گا مگر میں اس سے ڈرتا ہوں۔ کہ تم دین کی ترقی میں حصہ نہ لے کر گنہگار نہ ہو۔ پس میں نہیں نصیحت کرتا ہوں۔ کہ تم اس موقعہ کو غنیمت سمجھو۔ اور خدمت دین کے لئے اپنے مالوں کو قربان کر دو۔ جو شخص تکالیف اٹھا کر اس خدمت میں حصہ لے گا۔ میں اس کو یہ بتا دینا چاہتا ہوں۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام یہ دعا کر چکے ہیں۔ کہ اے خدا جو شخص تیرے دین کی خدمت میں حصہ لے۔ تو اس پر اپنے فضلوں کی بارش نازل فرما۔ اور آفات و مصائب سے محفوظ رکھ۔ پس وہ شخص جو اس میں حصہ لے گا اسے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اس دعا سے بھی حصہ ملے گا۔ اور پھر میری دعاؤں میں بھی حصہ دار ہوگا ...... جو شخص زیادہ حصہ لے سکتے ہیں۔ انہیں میں کہتا ہوں۔ کہ میری حد بندیوں کو نہ دیکھو۔ خدا تعالیٰ کے پاس غیر محدود ثواب ہے۔ اگر تم زیادہ قربانی کرو گے۔ تو زیادہ ثواب کے مستحق ہو گے۔" (الفضل ۱۷ جنوری ۱۹۴۰ء)

۴ پس ضروری ہے۔ کہ ہم اپنی ذمہ داریوں کو سمجھیں۔ اور صحیح رنگ میں دین کو دنیا پر مقدم کر کے جماعت کے ہر فرد کو مالی فرائض کی ادائیگی میں باقاعدہ بنائیں۔ تا کہ جماعت میں کوئی فرد ایسا نہ رہے۔ جو نادہندہ۔ بقایا دار یا کم شرح ہو۔ اور نہ صرف یہ کہ جملہ احباب لازمی چندوں کو باقاعدگی سے ادا کریں۔ بلکہ طوعی تحریکات میں بھی زیادہ سے زیادہ حصہ لے کر احباب اپنے ایمان اور اخلاص کا اعلیٰ نمونہ پیش کریں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے۔ کہ وہ ہم سب کو زیادہ سے زیادہ خدمت سلسلہ کی توفیق عطا کر کے ان راہوں پر چلائے جو اس کے فضل اور رضا کی راہیں ہیں۔ آمین ثم آمین۔

ناظر بیت المال قادیان

إِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ (أَقْدَامَكُمْ)

"اگر آپ اللہ تعالیٰ اور اس کے دین کی مدد کریں گے تو اللہ تعالیٰ کی تائید و نصرت آپ کو حاصل ہوگی۔ اور آپ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ثابت قدمی اور استقلال عطا کیا جائے گا۔"

از محترم صاحبزادہ مرزا وسیم احمد صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ

یہ خدا تعالیٰ کا فضل ہے کہ اس نے احباب جماعت ہائے ہندوستان کو موجودہ غیر معمولی حالات میں اعلاء کلمۃ اللہ کرنے اور احمدیت کے جھنڈے کو تھامے رکھنے کی توفیق دی ہے۔ اور اس وقت جبکہ ہندوستان کے اکثر مسلمان مایوسی اور احساس کمتری کا شکار ہو چکے ہیں۔ فدایان احمدیت کا یہ چھوٹا سا گروہ باوجود گوناگوں مشکلات کے اسلام اور احمدیت کے نام کو بلند کرنے کے لئے استقلال اور عزم سے آگے بڑھ رہا ہے۔ اور تکالیف و مصائب کی باد مخالف ان کے مضبوط ارادوں اور امیدوں کو متزلزل نہیں کر سکتی۔

تبلیغ و اشاعت اسلام کا جو عظیم الشان کام اس وقت ہندوستان اور بیرونی ممالک میں ہو رہا ہے۔ وہ خلوص و ایمان اور قربانی کے اس جذبہ کی وجہ سے ہے جو سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ذریعہ سے احباب جماعت احمدیہ میں پیدا پیدا ہوا۔ اور جو "دین کو دنیا پر مقدم کرنے" کے اصول کو اپنانے کا ایک کرشمہ ہے۔

میں یہ مختصر نوٹ احباب جماعت کی خدمت میں اس لئے تحریر کر رہا ہوں کہ خدا تعالیٰ کے نزدیک اعمال وہی مقبول اور لائق ثواب ہیں۔ جن پر دوام اختیار کیا جائے اور اعمال کا اچھا یا برا ہونا ان کے انجام سے ظاہر ہوتا ہے۔ بے شک احباب جماعت ایک لمبے عرصہ سے متواتر اور پیہم قربانیاں کر رہے ہیں۔ لیکن مومن کا عہد و پیمان تو موت تک ہوتا ہے۔ اگر کچھ عرصہ کے بعد جذبہ قربانی میں سستی یا کمزوری آ جائے۔ تو ڈر ہے کہ گذشتہ خدمات بھی ضائع نہ ہو جائیں

مجھے اس اطلاع سے دلی تکلیف ہوئی کہ بعض مخلصین جنہوں نے بڑی بشاشت اور اخلاص سے ابتداء میں "درویش فنڈ" میں حصہ لے کر مالی قربانیوں کا اعلیٰ نمونہ پیش کیا اب اس اہم "مد" کی طرف بہت کم توجہ دے رہے ہیں۔ حالانکہ خدا تعالیٰ کے فضل سے بے سروسامان درویش مقدس مقامات کی خدمت و حفاظت اور سلسلہ کے کاموں سے پیچھے نہیں ہٹے بلکہ باوجود عسرت و تنگی کے بدستور خدمات دینیہ بجا لا رہے ہیں۔ ان میں سے بعض سے ایسے ہیں۔ جن کو اپنی اور اپنے اہل و عیال کی حالت فاقوں تک پہنچ چکی ہے۔ لیکن وہ خدا تعالیٰ کی راہ میں سب کچھ صبر سے برداشت کر رہے ہیں۔ اور ساری جماعت کی نمائندگی مقدس مرکز میں کر رہے ہیں۔ پس میں احباب جماعت سے پُر زور التماس کرتا ہوں کہ وہ اس اہم مالی تحریک "درویش فنڈ" میں بدستور حصہ لے کر اور مستقل طور پر اس مالی خدمت کو ادا کر کے خدا تعالیٰ کے فضلوں اور رحمتوں کے وارث ہوں۔

نہ معلوم اس خدمت کا موقعہ کب تک میسر آئے۔ مبارک ہیں وہ مخلصین جو خدائی وعدوں کے پورا ہونے سے پہلے خدمت و قربانی کا اعلیٰ نمونہ پیش کر کے اپنے مولیٰ کو راضی کر لیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ سب کے ساتھ ہو۔ والسلام

مرزا وسیم احمد ناظر دعوۃ و تبلیغ قادیان

درویش فنڈ

جماعتہائے احمدیہ ہندوستان کی خاص توجہ کیلئے

"ہر مخلص احمدی کا فرض ہے کہ قادیان کے درویشوں کی ضروریات کا خیال رکھے۔"

(حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ)

احباب کو بخوبی علم ہے کہ تقدیر الٰہی کے ماتحت فسادات ۱۹۴۷ء میں جماعت احمدیہ کے مقدس مرکز قادیان سے بھی اس کی اکثر آبادی کو ہجرت کرنی پڑی۔ اور صرف ۳۱۳ درویش "خدمت دین" اور "حفاظت مرکز" اور "دیار حبیب کو آباد رکھنے" کے جذبہ کے تحت قادیان میں ٹھہرے رہے۔ اور انتہائی تنگی اور مالی مشکلات کے باوجود قادیان میں سکونت پذیر رہے۔ حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد کے مطابق کہ تجرد کی زندگی کا دور ختم کرتے ہوئے قادیان میں اہلی زندگی کے آثار پیدا کئے جائیں۔ درویشوں کی ہندوستان میں شادیاں کی گئیں۔ جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے فضل سے اب درویشوں اور ان کے اہل و عیال کی تعداد ۵۰۰ تک پہنچ گئی ہے۔ اور یہ امر قادیان کی آبادی کا باعث ہوا ہے۔

ان درویشوں کے لئے موجودہ حالات میں قادیان اور اس کے گرد و نواح میں کوئی ایسا کاروبار نہیں ہے۔ جس سے درویش اپنے اخراجات خود پورے کر سکیں۔ سوائے چند افراد کے جو قلیل آمد پیدا کر رہے ہیں۔ باقی سب درویشوں کی جملہ ضروریات قیام۔ طعام۔ لباس وغیرہ کا بار صدر انجمن احمدیہ کو کرنا پڑ رہا ہے۔ اور چندہ جات کی آمد کے مقابل پر بہت زیادہ اخراجات ہو رہے ہیں۔ جس کی وجہ سے سال بسال سے صدر انجمن احمدیہ کا بجٹ آمد و خرچ غیر متوازن ہوتا آرہا ہے۔

سیدنا حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ تعالیٰ نے اور حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب ایم۔ اے زاد مجدہ العالی نے درویشوں کی ضروریات اور صدر انجمن احمدیہ کی مالی مشکلات کو ملحوظ رکھتے ہوئے جماعتوں کو اس طرف خاص طور پر توجہ دینے کی ہدایت فرمائی ہے۔ حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز جماعتوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

"بیرونی جماعتیں اپنے غریب بھائیوں کی امداد کا خیال رکھیں۔ خصوصاً قادیان میں جو اصحاب الصفہ رہتے ہیں ان کے متعلق ہر شخص کا فرض ہے کہ وہ جو بھی قدر خدا اپنے لئے جمع کرے۔ اس کا چالیسواں حصہ ان کے لئے نکال کر بھیج دے۔ مگر جیسا کہ میں نے پہلے بھی بتایا ہے۔ وہ یہ چندہ صدقہ سمجھ کر نہ دیں۔ بلکہ ایک اسلامی بھائی چارہ کے لئے قربانی سمجھ کر دیں۔ وہ یہ خیال کریں کہ جیسے انسان اپنی بیوی کو کھلاتا ہے۔ اپنے بچوں کو کھلاتا ہے اور ان کو کھلانا اس کا فرض ہوتا ہے۔ اسی طرح جماعت کے غرباء کی امداد کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان پر فرض عائد کیا گیا ہے اور وہ اس فرض کی ادائیگی کے لئے ... دے رہے ہیں۔"

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب ایم۔ اے زاد مجدہ العالی رقم فرماتے ہیں:۔

"دراصل قادیان کو آباد رکھنا ساری جماعت کا فرض ہے۔ لیکن تقدیر الٰہی کے ماتحت ایک حصہ کو قادیان سے نکلنا پڑا۔ اور دوسرا حصہ قادیان میں آباد ہونے کی توفیق نہیں پا سکا۔ اور صرف قلیل حصہ کو یہ سعادت نصیب ہوئی کہ وہ موجودہ حالات میں قادیان میں ٹھہر کر خدمت دین بجا لاویں۔ پس دوسروں کا فرض ہے کہ وہ اپنے بھائیوں کی خدمت اور آرام کا خیال رکھیں۔ اور انہیں کم از کم ایسی مالی پریشانیوں سے بچائیں۔ جو توجہ کے انتشار کا موجب ہوں۔ حقیقتاً ہم پر درویشوں کا یہ احسان ہے کہ وہ بھاری قربانی کر کے قادیان میں ہماری نمائندگی کر رہے ہیں۔ پس یہ امداد ہرگز معروف خیرات کے رنگ میں نہیں ہو بلکہ ہم بطور ہدیہ بھائی دوست درویشوں کی خدمت میں پیش کرتے ہیں۔"

حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز اور حضرت صاحبزادہ صاحب موصوف کے مندرجہ بالا ارشادات کی روشنی میں ۱۹۵۲ء میں درویش فنڈ کی تحریک کا اجراء کیا گیا تھا۔

تحریک کے ابتدائی دو تین سالوں میں تو مخلصین جماعت نے "درویش فنڈ" میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ لیکن اب کچھ عرصہ سے اس آمد میں بہت کمی واقع ہو گئی ہے۔ حالانکہ قادیان کی احمدی آبادی میں زیادتی کے باعث اخراجات کا بوجھ پہلے سے زیادہ ہے۔

لہٰذا جملہ مخلصین جماعت کی خدمت میں درخواست ہے کہ وہ درویش فنڈ کی تحریک میں زیادہ سے زیادہ حصہ لیکر فرض شناسی کا ثبوت دیں۔

ناظر بیت المال قادیان

قربانیوں کا میدان اب بھی کھلا ہے

ارشاد حضرت اقدس امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ

فرمایا:۔

"اصل بات یہ ہے کہ قربانی کرنا مشکل نہیں ہے ایمان لانا مشکل ہے۔ جس کے دل میں ایمان پیدا ہو جائے اس کے لئے کوئی بھی قربانی مشکل نہیں۔"

"مومن کا قول اور عمل برابر ہونا چاہیئے۔ غیر مومن جو کہتا ہے ضروری نہیں کہ اسے پورا بھی کرے۔ لیکن مومن جو کچھ وعدہ کرتا ہے اسے سنجیدگی کے ساتھ سو فی صدی پورا کرتا ہے۔"

"جہان کا کھایا ہوا ہمارے کام نہیں آئے گا۔ جو خدا کے رستہ میں خرچ کیا ہو گا وہی ہمارے کام آئے گا۔ پس ابدی اور دائمی زندگی حاصل کرنے کے لئے آگے بڑھو۔"

"جو کہتے ہیں کہ کاش ہم بدر یا احد اب کا موقعہ پاتے تو اپنی جانیں اللہ تعالیٰ کی راہ میں قربان کر دیتے۔ مگر اس امر کو بھول جاتے ہیں کہ اصل قربانیوں کا میدان اب بھی ان کے لئے کھلا ہے۔ آج بھی اسی طرح قربانیاں کر کے اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کر سکتے ہیں جس طرح صحابہ رضوان کی۔ مگر ہم یہ سکتے ہیں جو قربانی کی اس خواہش کے باوجود قربانیوں میں استقلال دکھلاتے اور ہر وقت قربانی کے لئے تیار رہتے ہیں۔ اور اپنے فرض کی ادائیگی میں سستی اور غفلت سے کام نہیں لیتے۔"

"تم نے جس شخص کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر یہ اقرار کیا ہے کہ تم اپنی جانیں اور اپنے مال اپنی عزت اور اپنی وجاہت سب کچھ اس پر قربان کر دو گے وہ تم سے قربانی کا مطالبہ کرتا ہے۔ تمہاری جانیں اور تمہارا مال تم سے مانگتا ہے تمہارا فرض ہے کہ تم آگے بڑھو اور اپنے عہد کو پورا کرو .... میں سمجھتا ہوں کہ ہر وہ شخص جو اپنے اندر ایمان کا ایک ذرہ بھی رکھتا ہے وہ بہر حال اس تحریک پر آگے آجائے گا۔ وہ شخص جو خدا تعالیٰ کے نمائندہ کی آواز پر کان نہیں دھرے گا۔ اس کا ایمان کھویا جائے گا۔"

"اے خدا تو ہماری جماعت کے قلوب میں آپ قربانی کی تحریک پیدا کر۔ اے خدا تو اپنے فرشتوں کو نازل فرما جو لوگوں کو زیادہ سے زیادہ قربانیاں کرنے پر آمادہ کریں۔ اور اس آمادگی کے بعد پھر تو اپنے فرشتوں کو اس بات پر مامور فرما کہ جو لوگ وعدہ کریں وہ اپنے وعدوں کو جلد سے جلد پورا کریں آمین یا رب العالمین۔"

جن دوستوں کے ذمہ ابھی تک تحریک جدید کا وعدہ قابل ادا ہے وہ حضرت اقدس کے مندرجہ بالا ارشادات ملاحظہ فرما کر فوری طور پر اپنے وعدوں کو ادا فرما دیں۔ تحریک جدید کا سال ختم ہو رہا ہے صرف چند دن باقی ہیں۔ قبل اس کے کہ سال ختم ہو آپ اپنے امام کے حضور کئے گئے وعدوں کو پورا فرما دیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کے ساتھ ہو۔

خاکسار:۔ وکیل المال تحریک جدید قادیان

فریضہ زکوٰۃ کی اہمیت

صاحب نصاب کی خاص توجہ کے لئے

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں مومنوں کو "اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ وَاعْتَصِمُوْا بِاللّٰہِ" کی تاکید فرمائی ہے۔ اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ سے مضبوط تعلق پیدا کرنا، نماز کا قائم کرنا اور زکوٰۃ کا ادا کرنا فرض قرار دیا گیا ہے۔ قرآن مجید میں دوسری جگہ زکوٰۃ کے فوائد بتاتے ہوئے فرمایا ہے "وَمَا اٰتَیْتُمْ مِّنْ زَکٰوۃٍ تُرِیْدُوْنَ وَجْہَ اللّٰہِ فَاُولٰٓئِکَ ہُمُ الْمُضْعِفُوْنَ" یعنی جو لوگ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے زکوٰۃ دیتے ہیں وہ لوگ اپنے اموال کو بڑھانے والے ہیں۔ "اَلشَّیْطٰنُ یَعِدُکُمُ الْفَقْرَ وَیَاْمُرُکُمْ بِالْفَحْشَآءِ وَاللّٰہُ یَعِدُکُمْ مَّغْفِرَۃً مِّنْہُ وَفَضْلًا" یعنی شیطان تمہیں زکوٰۃ ادا کرنے کی صورت میں افلاس و فقر کا وعدہ دیتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ زکوٰۃ ادا کرنیوالوں کو اپنی طرف سے مغفرت اور فضل کا وعدہ دیتا ہے۔

زکوٰۃ نہ ادا کرنیوالوں کیلئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ تہدید ہی کافی ہے کہ "وَالَّذِیْنَ یَکْنِزُوْنَ الذَّہَبَ وَالْفِضَّۃَ وَلَا یُنْفِقُوْنَہَا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ فَبَشِّرْہُمْ بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ" یعنی سونا چاندی جمع کرنیوالوں اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ نہ کرنیوالوں کو عذاب الیم کی بری خبر سنا دو۔ قرآن مجید میں بیان فرمودہ احکامات زکوٰۃ سے آگاہ کرنے کے بعد احباب جماعت سے گذارش ہے کہ موجودہ مالی سال میں زکوٰۃ کی آمد تا حال بہت کم ہوئی ہے۔ لیکن غرباء، یتامیٰ، بیوگان وغیرہ کے وظیفے بدستور دیئے جا رہے ہیں۔ اور زکوٰۃ میں آمد نہ ہونے کی وجہ سے ان وظیفوں کو بند کر دینا ایک تکلیف دہ امر ہے۔ اسلئے احباب جماعت جنہیں اللہ تعالیٰ نے فضل فرماتے ہوئے زکوٰۃ فرض کی۔ وہ اپنی آمدنیوں کا جائزہ لیکر واجب زکوٰۃ کی رقم جلد از جلد مرکز قادیان میں بھجوائیں کیونکہ شرعی احکام کے مطابق زکوٰۃ کی رقم خلیفۂ وقت یا ان کے مرکز میں پہنچنی چاہیئے۔ امید ہے احباب جماعت زکوٰۃ کی ادائیگی کیطرف اور عہدیداران زکوٰۃ کی وصولی کر کے ... مرکز بھجوائے

نظارت دعوت و تبلیغ قادیان کی نئی مطبوعات

نظارت دعوت و تبلیغ کے زیر اہتمام مسلمانوں میں تبلیغ کے لئے مندرجہ ذیل دو رسالہ جات شائع کئے گئے ہیں۔ احباب جماعتہائے ہندوستان فوری طور پر حسب ضرورت منگوا کر مسلمانوں میں تقسیم کریں اور معزز مسلمانوں کے پتہ جات بھی نظارت ہذا میں ارسال کریں تاکہ مرکز کی طرف سے ان پتوں پر روانہ کی جائیں:۔

۱۔ پیغام احمدیت انگریزی (What is Ahmadiyyat)
یہ وہ لیکچر ہے جو سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ نے سیالکوٹ کے جلسہ کے لئے تیار فرمایا تھا اور جس میں احمدیت کے مخصوص مسائل کو نہایت عمدگی اور دلنشیں پیرایہ میں لوگوں کے ذہن نشین کیا گیا ہے۔ اور احمدیہ جماعت کو علیحدہ کرنے کی حکمت اور فلاسفی پر روشنی ڈالی گئی ہے ــــ انگریزی دان غیر احمدیوں کے لئے تبلیغی اعتبار سے نہایت مفید اور مؤثر رسالہ ہے۔

۲۔ حقیقی اسلام۔ مصنفہ حضرت مرزا بشیر احمد صاحب ایم۔ اے مدظلہ العالی
مضمون کے پہلے حصہ میں اسلام کی مختصر تاریخ۔ تعلیمات اور عقائد نہایت دلنشین پیرایہ میں بیان کئے گئے ہیں اور دوسرے حصہ میں احمدیت کے مخصوص عقائد اور ان کی فلسفیانہ حکمت میں روشنی ڈالی گئی ہے۔ اردو دان طبقہ کے لئے یہ نہایت کارآمد تبلیغی رسالہ ہے۔ احباب جلد از جلد ان کتب کو منگوا کر فریضۂ تبلیغ کی ادائیگی سے عہدہ برآ ہوں۔

چونکہ نظارت ہذا کا بجٹ ڈاک بہت قلیل ہے۔ اس لئے احباب جماعت اگر ڈاک خرچ بھجوا دیں یا اصل ڈاک خرچ کا وی۔ پی (V-P) بھجوانے پر رضامند ہوں تو ترسیل لٹریچر کو بہت وسیع کیا جا سکتا ہے۔

(ناظر دعوت و تبلیغ قادیان)

بٹالہ میں احباب جماعت کی ایک برات میں شمولیت

قادیان مورخہ یکم اکتوبر جناب سردار کشن سنگھ صاحب سندھو آف رانجی جو جناب باوا بلونت سنگھ صاحب کے قریبی رشتہ داروں میں سے ہیں کے لڑکے سردار اندرجیت سنگھ سندھو کی شادی جناب میجر ڈاکٹر دربارہ سنگھ صاحب بٹالہ کی لڑکی بی بی ہرو یو کور سے بٹالہ میں ہوئی۔ یکم اکتوبر کو برات بذریعہ بس اور ریل وغیرہ ۲ ۱/۲ بجے بعد دوپہر روانہ ہوئی۔ اس برات میں قادیان اور بعض دیگر مقامات کے معززین تنٹو کے قریب شامل ہوئے۔ جناب سردار کشن سنگھ صاحب نے مکرم مولوی عبدالرحمن صاحب امیر جماعت احمدیہ محترم صاحبزادہ مرزا وسیم احمد صاحب سلمہ اللہ۔ مکرم مولوی برکات احمد صاحب راجیکی بی۔ اے ناظر امور عامہ، مکرم ملک صلاح الدین صاحب ایم۔ اے اور مکرم چوہدری محمد طفیل صاحب جماعت کی طرف سے براتیوں میں شمولیت کی دعوت دی۔ مکرم صاحبزادہ صاحب سلمہ اللہ بوجہ علالت طبع شامل نہ ہو سکے دوسرے احباب شامل ہوئے۔

مورخہ ۲ کو بٹالہ میں نکاح کی رسم ادا ہوئی۔ اور تین بجے کے بعد براتی واپس ہوئے بٹالہ میں سردار دربارہ سنگھ صاحب برادران کی طرف سے سردار امرجیت سنگھ صاحب ایڈووکیٹ نے بہت عمدگی سے مجلد انتظامات کئے۔ اس تقریب میں بہت سے لوگ بٹالہ اور دیگر مقامات سے بھی شریک ہوئے۔

احباب جماعت کی طرف سے علاوہ زبانی گفتگو کے بہت سا لٹریچر بھی معززین کو مطالعہ کے لئے دیا گیا۔ فالحمد للہ۔

تبلیغ کا ایک ذریعہ!

تبلیغ کا ایک بہترین ذریعہ اخبارات بھی ہوتے ہیں اس لئے جو دوست اپنی بعض مجبوریوں کی وجہ سے عملاً تبلیغ کے کاموں میں حصہ نہیں لے سکتے ان کے تبلیغ کرنے کا ایک ذریعہ یہ بھی ہے کہ وہ اپنی طرف سے زیر تبلیغ افراد کے نام اخبار بدر جاری کروا دیں اور اس طرح عملی تبلیغ میں حصہ لے کر ثواب حاصل کریں۔

نظارت ہذا میں زیر تبلیغ افراد کی طرف سے اخبار بدر کا مطالبہ بھی موصول ہوتا ہے چونکہ نظارت کے اپنے بجٹ میں اس قدر گنجائش نہیں ہوتی اس لئے ایسے افراد کے نام اخبار جاری نہیں کروایا جا سکتا۔ اس لئے بذریعہ اعلان ہذا میں دوستوں کو تحریک کرتا ہوں کہ وہ اخبار بدر کا سالانہ چندہ مبلغ ۔/۶ روپے بھجوا دیں تاکہ زیر تبلیغ افراد کے نام اخبار جاری کروا دیا جائے۔ اور اس طرح آپ عملی تبلیغ میں حصہ لے سکیں گے۔

مرزا وسیم احمد ناظر دعوت و تبلیغ قادیان

درخواست ہائے دعا (۱) مجھے چند پریشانیاں درپیش ہیں انکے ازالہ کیلئے اور سیکریٹری کی طرف دلچسپ پیدا ہونیکے لئے دعا کی درخواست ہے۔ بابو غلام رسول سب پوسٹ ماسٹر شوپور (کشمیر)
(۲) مجھ عرصہ سے ڈاک کے بعض پریشانیوں میں مبتلا ہے ان کے ازالہ نیز جائیداد کے ایک مقدمہ میں کامیابی کیلئے دعا کی درخواست۔